نبوّت کا کارنامہ

"نبوّت نے دنیا کو سائنس نہیں دی، ایجادیں نہیں عطا کیں، اس کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ ایسا کرنے پر شرمندگی اور معذرت! اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو افراد عطا کیے، جو خود بھی صحیح راستے پر چل سکتے ہیں اور دنیا کو چلا سکتے ہیں اور ہر اچھی چیز سے خود نفع اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں اور جوہر قوت اور نعمت کو ٹھکانے لگا سکتے ہیں جو اپنی زندگی کے مقصد سے واقف اور اپنے پیدا کرنے والے سے آشنا ہیں۔ اور اس کی ذات سے استفادہ کرنے اور اس سے مزید نعمتیں حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہیں کا وجود انسانیت کا اصل سرمایہ اور انہیں کی تربیت نبوّت کا اصل کارنامہ ہے۔"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ★

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد سعید الرحمٰن

عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مَا کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم یَصْنَعُ فِیْ بَیْتِہٖ قَالَتْ کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِھْنَۃِ اَھْلِہٖ تَعْنِیْ خِدْمَۃَ اَھْلِہٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ (بخاری)

حضرت اسود تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ طاہرہ صدیقہ حمیراء عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ گھر میں حضور خاتم المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے مشاغل کیا ہوتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنے گھر والوں کی "مہنت" میں لگے رہتے "مہنت" اماں عائشہ کا مطلب تھا کہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

الف: حضور علیہ السلام اپنے گھر میں اہل و عیال کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ یہ بات بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام گھر کے کام کاج بڑی رغبت اور شوق سے کرتے اور اس معاملہ میں آپ کو کوئی حجاب نہ تھا۔ تفصیلات کے مطابق اپنے کپڑے دھونا، پھٹے ہوئے کپڑوں کی مرمت کرنا، جوتے کو گانٹھ لینا، بکری ہو تو اس کا دودھ دوھ لینا، گھر کے آنگن وغیرہ کی صفائی، سبھی کام آپ خود کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ ذخیرہ احادیث کو کھنگالیں، سیرت مطہرہ کے ابواب میں ہر موقعہ پر اپنے احباب صحابہ علیہم الرضوان کے ساتھ ہر معاملہ میں مشارکت آپ کو نظر آئے گی مسجد قبا کی تعمیر ہو یا مسجد نبوی کی۔ مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا معاملہ ہو، یا سفر جہاد میں اجتماعی امور سرانجام دینے کا۔ ہر جگہ آپ مصروف عمل نظر آئیں گے۔ گویا "مہنت و خدمت" سے آپ کو عار نہیں تھا اور یہ سب کام آپ بڑے شوق سے کرتے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے جو اوراق دستیاب ہیں ان سے بھی اس قسم کی باتیں واضح ہوتی ہیں کہ اللہ کے نبیوں نے بکریاں چرائیں لوہے کو ڈھالا، درزی کا کام کیا، بڑھئی کی خدمات سرانجام دیں اور جو کام شرعاً اور اخلاقاً معیوب نہ تھا اسے بلا حیل و حجت کیا۔

حضور علیہ السلام کو "مہنت و خدمت" اتنی عزیز تھی کہ آپ نے ہاتھوں سے مہنت و مشقت کرنے والوں کو اللہ کا محبوب قرار دیا۔ "مہنتی طبقہ" کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا، اور ہر طرح عزت افزائی کی۔ اس کے برعکس امت کی جو حالت اب ہے وہ المناک اور ازحد پریشان کن ہے اب تو مسلم معاشرہ میں عورت بچوں کو دودھ تک پلانے سے گریز کرتی ہے اور ڈبے کے دودھ

(باقی ۱۳ پر)

جلد ۲۶ ❊ شمارہ نمبر (۱)
۳۰ر شعبان ۱۴۰۰ھ ❊ ۱۴ر جولائی ۱۹۸۰ء

اس شمارہ میں

خدام الدین کا چھبیسواں ۲۶ سال

گذشتہ شمارے کے ساتھ خدام الدین کے ۲۵ سال پورے ہو گئے اور اس شمارے کے ساتھ ۲۶ واں سال شروع ہو گیا۔ اس پرچہ کی ابتدا حضرت الامام لاہوری قدس سرہٗ نے کی اصلی باعث حضرت والا کے خطبہ جمعہ کی اشاعت تھی جو اس سے قبل مرحوم مجلس احرار اسلام کے آرگن روزنامہ "آزاد" میں چھپتا تھا۔ یہ خطبہ اپنی معنویت اور انقلابی روح کی وجہ سے بڑی یادگار چیز ہوا کرتا تھا۔ اس لیے حضرت اقدس سے بعض خدام نے درخواست کر کے مستقل پرچے کے لیے آمادہ کر لیا۔ حضرت اقدس کی زندگی تک آپ کا تحریر کردہ خطبہ جمعہ اور مجلس ذکر کے موقعہ پر ارشاد فرمودہ تقریر پورے التزام سے چھپتی تھی۔ اس کے علاوہ عام لوگوں کی اصلاح و ہدایت اور انہیں دینی معلومات سے آگاہ کرنے کے لیے ہلکے پھلکے مضامین کا اہتمام ہوتا تھا۔

حضرت اقدس قدس سرہٗ ایک ایک چیز خود ملاحظہ فرماتے اور ایسے عمل کے ہاتھوں سارے کام انجام پذیر ہوتے جو خلوص و للّٰہیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

حضرت والا کی سرپرستی و نگرانی اور عمل کے خلوص و دیانت نے وہ رنگ باندھا کہ خدام الدین ہفت روزہ صحافت میں اس مقام پر پہنچ گیا جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بڑے بڑے جغادری صحافی اور ایڈیٹر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے لیکن یہ کوئی راز نہ تھا ایک کھلی حقیقت تھی، اللہ کے جن نیک اور صالح بندوں کو خلوص و دیانت اور اپنے مقصد سے سچی لگن نصیب ہو جاتی ہے ان کی رفعتوں اور کامیابیوں کو کوئی

نہیں چھو سکتا۔ کسی قسم کی ظاہری زیبائش و آرائش سے محروم یہ پرچہ پاکستان اور پاکستان سے باہر دنیا کے ہر ملک میں پڑھا گیا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اَن گنت لوگوں کو قبول اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا، تو بے شمار بے دین ایسے دیندار بن گئے جن کی تہجد کی نمازیں کبھی قضا نہ ہوئیں اور جن کی زبانوں سے کبھی جھوٹ نہ نکلا۔

حضرتؒ دنیا سے رخصت ہوئے تو چمن اجڑ گیا، برکات اٹھ گئیں۔ تاہم مالک الملک کا بے غایت و بے نہایت شکر ہے کہ آپ کے جانشین و خلف الرشید زید مجدہم کی سرپرستی میں ہمارا سفر رواں دواں ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ مہنگائی اور دوسرے عوامل نے ہمیں بھی شدید طور پر مجروح کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنے جلیل القدر بانی مرحوم کی متعین کردہ راہوں پر ہم اب بھی حتی الامکان چلنے کی کوشش و سعی میں مصروف ہیں۔

شیخ مرحوم کے جانشین محترم کا خطبہ جمعہ، مجلس ذکر کی تقریر باقاعدگی سے چھپتی ہے۔ ملفوظ احادیثؐ اور اس نوع کی دوسری ضروری چیزیں التزام سے شامل ہوتی ہیں اور قیمت وغیرہ کے معاملہ میں بھی دوسرے ہفت روزہ پرچوں کے مقابلہ میں ہم بہت پیچھے ہیں اور خاصا بوجھ برداشت کر رہے ہیں لیکن اس بوجھ کے برداشت کی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک کوئی کاروباری منفعت نہیں محض اللہ کے دین کو اس کی مخلوق تک پہنچانا ہے اور بس۔

اس موقعہ پر ہم اپنے حلقہ کے بزرگوں اور احباب سے جہاں دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں وہاں مستقل خریداروں، ایجنٹوں اور دوسرے معاونین سے یہ بھی گذارش کریں گے کہ وہ سرپرستی و تعاون کا سلسلہ بڑھائیں اور اپنے مناسب اور قیمتی مشوروں سے نوازیں۔

آج کے دور کی صحافت بلاشبہ کانٹوں پر چلنے کے مترادف ہے۔ اگر ہم اپنی روایات سے ہٹ کر سفر شروع کریں تو اس میں مادی منفعت بے پناہ ہوگی لیکن ہم صبح قیامت میں اپنے اللہ کے حضور منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں گے اور قوم کو غلط رخ پر لے جانے کے سنگین جرم کے مرتکب! اس لئے ہم عہد کرتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان روایات کی پاسداری ہمارا فرض تھا اور ہے جو قطب زماں حضرت لاہوریؒ نے وضع فرمائیں۔

اس کے ساتھ ایک اور بات جو از حد تکلیف دہ اور پریشان کن ہے وہ ہے اہل دین و دانش کا معاملہ جن کے متعلق ہمارے تصورات کی دنیا بہت بلند تھی۔ یہ حضرات حضرت لاہوری قدس سرہ کے عاشق زار خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی علیہ الرحمہ کے بقول سچ کہنے میں بڑے بے باک ہیں لیکن سچ سننا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔

ملک کے حالات کسی افراتفری کے متحمل نہیں اور قوم کا ذہن و مزاج بالعموم فساد و بگاڑ کا شکار ہو چکا ہے۔ ان حالات میں اہل دین و دانش پر لازم ہے کہ وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھائیں اور اپنے طرز عمل سے کوئی ایسی بات نہ ہونے دیں جو ملک و قوم کے زوال و بربادی کا باعث بنے۔

ہم اپنے تمام گناہوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے قارئین کو یقین دلاتے ہیں کہ دین اسلام کی روشنی میں جو ہم نے صحیح اور حق سمجھا اس کے لکھنے گریز نہیں کریں گے۔ غلطی کا امکان بہر حال ہوتا ہے کہ ہم بھی انسان ہیں اگر کسی بزرگ و دوست نے محبت اور جذبۂ خیر خواہی سے ہمارے غلطی پر ہمیں توجہ دلائی تو

(باقی ۹ پر)

ذکر اللہ کی برکات

مجلس ذکر، واہ کینٹ
منعقدہ ۲۳ جون ۱۹۷۹ء
از: صوفی محمد یونس صاحب
مرتبہ: محمد عثمان غنی۔ بی اے

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ .... تا .... وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۵
(التحریم ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر اس پر مقرر ہیں فرشتے تند خو زبردست، نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہے۔

ذکر اللہ کی برکات

خدا کا شکر ہے، اللہ تعالےٰ کا بڑا احسان ہے، کہ باوجودیکہ آج کل بڑی مصروفیت کے دن گزارتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنا نام لینے کے لیے جمع ہونے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ حضرت " فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجلس در اصل روزمرہ ہونی چاہیے۔ اس ذکر کی مجلس کی اتنی ضرورت ہے کہ ہر روز اس مجلس کو منعقد کرنا چاہیے لیکن یہ انتظام روزانہ ہو نہیں سکتا، سب احباب روزمرہ مغرب کی نماز کے بعد یا عشاء کے بعد ایک جگہ جمع ہو نہیں سکتے، چلو ہفتے میں ایک مرتبہ ہو جائے تب بھی غنیمت ہے یہ بھی نہ ہو تو مہینے میں ایک مرتبہ ہو۔ بہر حال مجلس یہ بڑی بابرکت ہے بڑی باعثِ رحمت ہے۔ اس مجلس میں بڑی بشارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی ہیں کہ جو لوگ مجلسِ ذکر میں بیٹھتے ہیں، فرشتے انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور لمبی حدیث ذکر کیا کرتے تھے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ پھر اعلان فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں جو اللہ کا ذکر کرنے کے لیے جمع ہونے والے ہیں ان سب کے گناہوں کو میں نے معاف کر دیا ہے۔ سب سے بڑا فائدہ تو ایک یہ ہے کہ مجلس میں آنے سے پہلے بعض اوقات بڑے بڑے گناہوں کے پہاڑوں کے نیچے انسان دبا ہوا ہوتا ہے لیکن جب مجلس برخاست ہوتی ہے اور وہ اس سے واپس جاتا ہے تو ایسا ہوتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، سارے گناہ اللہ معاف کر دیتا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بہت بڑی بات ہے، خدا نے اپنے بندوں کو جنت میں پہنچانے کے لیے، جہنم سے بچانے کے لیے اور اپنی ذات کو راضی کرنے کے لیے بڑے بڑے آسان طریقے، بڑی بڑی آسان عبادتیں بھی بتلائی ہیں۔ ذکر کرنے میں کوئی قیمت نہیں لگتی، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی آپ چاہیں تو گرمی کے موسم میں پنکھے کی ہوا میں، ائر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر، بڑے آرام کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے رہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، سردی کا موسم ہو، آپ گرم کمرے میں بیٹھ کر، آگ جلا کر، ہیٹر لگا کر

اور کمرے کو خوب گرم کر کے، تسبیح لے کر اللہ کا ذکر کرتے رہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا ویسے بھی تو بیٹھنا ہی ہے۔

تو سب سے آسان عبادت اور سب سے بڑی عبادت، یہ اللہ کا ذکر ہے جس کے لیے نہ وضو کی کوئی شرط ہے، نہ وقت کی کوئی پابندی ہے، نہ جگہ کی کوئی قید ہے، کوئی اس کے لیے خاص شرائط نہیں ہیں۔ جب چاہیں، جس وقت چاہیں، جہاں چاہیں، جس حالت میں بھی چاہیں، یہ بھی شرط نہیں کہ کھڑے ہو کر ہی ذکر کرو، یہ بھی نہیں کہ بیٹھ کر ہی کرو، کھڑے ہو کر نہیں کر سکتے، اور یہ بھی نہیں ہے کہ بیٹھ کر ہی کرو لیٹ کر نہیں کر سکتے۔ نہیں، یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ وہ اللہ کے بندے، اللہ کے مقبول بندے جنت کے بندے، ان کی نشانیاں یہ ہیں، ہر حال میں، کھڑے بھی، رکوع میں بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں، خدا کی یاد سے اپنے سینوں کو منور رکھتے ہیں، اللہ سے اتنا گہرا تعلق ہے کسی وقت بھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ خدا کے بندوں کی بتا دی۔

تو ذکر کی مجلس میں آنا اور ذکر کا کرنا، یہ ایک الگ ثواب ہے اور اس مجلس کی جو خصوصیت ہے وہ امراضِ روحانی سے شفاء حاصل کرنے کا ذریعہ بنی۔ کہ ایسی مجالس میں جو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر انسان ذکر کرتا ہے یا آنا جاتا ہے یا ان کی صحبت میں چند ساعتیں گذارتا ہے اس سے اس کی روحانیت پر جو امراضِ روحانی کے اثرات ہوتے ہیں وہ دور ہوتے ہیں، شفاء حاصل ہوتی ہے اور خداوند کریم اس کو خلوص عطا فرماتے ہیں۔ شرک سے، کفر سے، نفاقِ اعتقادی سے، نفاق سے، ریاء سے، بغض سے، تکبر سے، حسد سے، حرص اور طمع سے، ان سب امراضِ روحانی سے شفاء حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اتنے خطرناک ہیں کہ ان کا پتہ پھر قبر میں، حشر میں چلے گا۔

بقیہ : اداریہ

انشاء اللہ تعالیٰ ہم برملا اعتراف کر کے خوشی و مسرت محسوس کریں گے ان سطور کے ساتھ نئے سال کے سفر کا آغاز ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کی توفیق بخشے۔

علوی

بقیہ : معراج النبی ﷺ

کرنا چاہا وہ مجھ سے فرمایا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے اثناء کلام میں اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے آپ کو اپنا خلیل و حبیب منتخب کیا، اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ کا سینہ کھولا، اور آپ کا بوجھ ہلکا کیا، آپ کا آوازہ بلند کیا، اور میرے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، آپ کی امت کو خیر الامم اور امت متوسط و عادلہ و معتدلہ بنایا، آپ کی امت کو فضیلت و شرف میں اولین اور ظہور و وجود کے اعتبار سے آخرین بنایا، آپ کی امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے دل و سینہ ہی انجیل ہونگے آپ کو خلقت کے لحاظ سے اول النبیین اور بعثت کے اعتبار سے آخر النبیین بنایا۔ آپ کو سبع مثانی عطا فرمائی، سورۃ فاتحہ اور خواتیم سورۃ البقرہ عنایت کئے جو آپ سے پیشتر کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے، آپ کو حوض کوثر عطا کیا، اور یہ آٹھ نعمتیں خاص آپ کی امت کو مرحمت فرمائیں، یعنی اسلام، مسلمان کا لقب، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، صوم رمضان، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور آپ کو فاتح اور خاتم یعنی پہلا اور آخری نبی بنایا۔

مذکورہ بالا حدیث پاک دو جزوں پر مشتمل ہے پہلے جز میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراتب عالیہ پر فائز فرمایا گیا ہے، دوسرے جز میں سب کائنات سے امت [illegible]

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : فاروقی

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا چاہیئے

از جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

الحمد للہ وکفی وسلامٌ
علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ:
امّا بعد: فاعوذ باللہ من
الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم :-
قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ
اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا
تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ یغفر الذنوب جمیعًا
انّہ ھو الغفور الرحیم ۝
وَ اَنیبوا الیٰ ربکم واسلموا
لہٗ من قبل ان یاتیکم
العذاب ثمّ لا تنصرون ۝
وعن الاغر المزنی
قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم انّہ لیغان
علیٰ قلبی وانّی لاستغفر
اللہ فی الیوم مائۃ مرّۃ۔
صدق اللہ وصدق رسولہ النبی الکریم :

محترم حضرات! خطبہ مسنونہ
میں تلاوت کی گئی سورۂ زمر کی
ان دو آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ
نے اپنی رحمت بے پایاں کا ذکر
کرتے ہوئے اپنے بندوں کو ہر
حالت میں اپنی رحمت کی طرف
رجوع کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ
وہ آخرت میں عذابِ خداوندی سے
محفوظ رہیں۔

آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے:

"کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو
جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے
اپنی جان پر، آس مت توڑو
اللہ کی مہربانی سے۔ بیشک
اللہ بخشتا ہے سب گناہ،
واقعی وہ بڑا گناہ معاف
کرنے والا مہربان ہے اور
رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی
طرف اور اس کی فرمانبرداری
کرو پہلے اس سے کہ تم
پر عذاب آئے پھر کوئی تمہاری
مدد کو نہ آئے گا۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

حاشیہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ

یہ آیت ارحم الراحمین کی
رحمت بے پایاں اور عفو و درگذر
کی شانِ عظیم کا اعلان کرتی ہے
اور سخت سے سخت مایوس العلاج
مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا
حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق،
مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی
بدمعاش، فاسق، فاجر کوئی ہو آیت
کو سننے کے بعد خدا کی رحمت
سے بالکلیہ مایوس ہو جانے اور
آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس
کے لیے کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ
اللہ جس کے چاہے سب گناہ
معاف کر سکتا ہے کوئی اس کا
ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ
نا اُمید کیوں ہو۔ ہاں یہ ضرور
ہے کہ اس کے دوسرے اعلانات
میں تصریح کر دی گئی ہے کہ
کفر و شرک کا جرم بدون توبہ
کے معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا
اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا
کو لِمَنْ یَّشَآءُ کے ساتھ مقید
سمجھنا چاہیئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ
انّ اللہ لا یغفر ان یشرک
بہٖ و یغفر ما دون ذالک

ملیٰ یشاء (نساء رکوع ۱۸) اس تقیید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدوں توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لیے توبہ کی ضرورت ہی نہیں بدوں توبہ کے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے قید صرف مشیت کی ہے ، اور مشیت کے لیے دوسری آیات میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے متعلق نہ ہو گی۔ چنانچہ آیت ہذا کی شانِ نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں مغفرت کی امید دلا کر توبہ کی طرف متوجہ فرمایا یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ کے بے پایاں جود و کرم سے شرما کر کفر و عصیاں کی راہ چھوڑ دو اور اس ربِ کریم کی طرف رجوع ہو کر بالکلیہ اپنے کو اُسی کے سپرد کر دو ، اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز و اخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو ، اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اُس کے فضل سے ممکن ہے ، ہمارا رجوع و انابت بھی بدون اس کے فضل و کرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا تو جو کفار دشمنی میں لگے رہتے تھے۔ سمجھے کہ لاریب اُس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہو گی کہ (ہم نے) دشمنی کی لڑائیاں کیں اور کتنے خدا پرستوں کے خون کئے تب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے ، ناامید مت ہو ، توبہ کرو اور رجوع ہو ، بخشے جاؤ گے۔ مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی تو اس وقت کی توبہ قبول نہیں نہ اُس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔"

محترم حضرات! ان دونوں آیات کی تشریح کے طور پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جس طرح جامع و مانع مضمون بیان فرمایا ہے اس سے منشاء خداوندی صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ گناہ و عصیان ، شرک و کفر، بدعات و فسق میں مبتلا رہنے کے بعد خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے کی بجائے جب بھی اُس کی طرف رجوع کیا جائے ، اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے اور اخلاص نیت کے ساتھ اس کے حضور استغفار کر لیا جائے تو اس کی رحمت کے دریا میں جوش آ جاتا ہے اور بندے کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔

ایک نکتہ

لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمتِ بے حساب کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان جان بوجھ کر گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے کہ پھر توبہ کر کے گناہ معاف کرا لوں گا۔ کیونکہ کوئی انسان بھی پورے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ گناہ کے بعد توبہ کی مہلت ملے گی یا نہیں کہ موت کا وقت مقرر آ پہنچے اور توبہ کرنے سے پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کرنا پڑے نیز حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نکتہ بیان فرمایا کہ گناہ ایک زخم ہے اور توبہ اس کے لیے مرہم کی حیثیت رکھتی ہے لیکن جب کوئی عقلمند آدمی یہ نہیں کرتا کہ مرہم کے موجود ہونے پر پہلے اپنے جسم کے کسی حصّے پر خود ہی زخم لگائے کہ میرے پاس مرہم موجود ہے جو زخم کو ختم کر دے گا اسی طرح کسی صاحبِ فہم و ادراک کو یہ بھی

نہیں کرنا چاہیے کہ توبہ کے تصور
میں پہلے گناہ کا ارتکاب کرے
کہ پھر توبہ کر لوں گا۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سید الکونین رسول الثقلین
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث
مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی
رحمت کا بیان فرما کر اپنی امت
کے لوگوں کو استغفار کرنے کی تاکید
فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں "اے آدمؑ کے بیٹے! جب
تک تو مجھ سے دعا مانگتا رہے گا
اور مجھ سے مغفرت کی امید رکھے گا
میں تجھ کو بخشوں گا اور مجھ
کو اس کی پرواہ نہیں کہ تو نے
کتنا بڑا کام کیا ہے۔ اے آدمؑ
کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان
تک بھی پہنچ جائیں اور پھر تو
مجھ سے معافی مانگے اور بخشش
طلب کرے تو میں تجھ کو بخشش
دوں گا اور مجھے اس کی پرواہ
نہ ہوگی۔ اے آدمؑ کے بیٹے! اگر
تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ
تیرے گناہوں سے زمین بھری ہوئی
ہو اور میرے ساتھ تو کسی کو
شریک نہ کرتا ہو تو میں تیرے
پاس زمین بھری ہوئی بخشش لے کر
آؤں گا۔" (رواہ الترمذی)

اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنے
بندے کے ہر قسم کے گناہ معاف
کر دیتے ہیں۔

سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول

محترم حضرات! خطبہ مسنونہ
میں جو حدیث پاک تلاوت کی گئی
ہے اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا اپنا معمول سامنے آتا ہے۔ یہ
مسلم شریف کی روایت ہے کہ
حضرت اغر المزنی رضی اللہ عنہ
روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق میرے
دل پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور
میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا
ہوں اپنے اللہ تعالیٰ سے۔

اسی طرح مسلم شریف
کی ایک روایت میں حضور نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی امت
کے لیے ارشاد موجود ہے کہ فرمایا
یا ایھا الناس توبوا الی اللہ
فانی اتوب الیہ فی الیوم
مائۃ مرۃ۔ کہ اے لوگو! اللہ
سے توبہ کیا کرو کہ میں خود بھی
اللہ تعالیٰ کی طرف دن میں ایک
سو مرتبہ توبہ کیا کرتا ہوں۔"

ان احادیث سے حضور
علیہ السلام کا اپنا معمول اور
اپنی امت کے لیے آپ کا ارشاد
سامنے آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں
سے توبہ کی توفیق نصیب ہو
اور اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اپنی
رحمت کے خزانوں کو کھول دیں۔

وما علینا الا البلاغ

بقیہ ۔ حضرت نانوتویؒ

شماروں میں بالاقساط ملاحظہ فرمادیں
آخر میں پروفیسر صاحب کی ان نگارشات
پر مضمون کو ختم کرتا ہوں
"ان تمام اردو، فارسی، اور عربی اشعار
کا مجموعہ اعداد جو قصائد قاسمی میں درج ہے
تین سو بانوے ہوتا ہے، یہ ہے کل مقدار
شعر و سخن جو قاسم العلوم کی زندگی کا مختصر
سا سرمایہ ہے، میں نے ابھی اوپر عرض کیا
ہے کہ مولانا کی انداز طبع اور پرگوئی سے یہ
اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف ان کے مضامین
خطوط اور تقاریر کا ذخیرہ زیادہ ہونا چاہیے
بلکہ شعر و سخن کا مجموعہ بھی یا تو کہیں گوشہ
گمنامی میں کسی معتقد کے پاس محفوظ رکھا
ہوگا کہ کہیں ہوا نہ لگ جائے، اور یا کسی کی
ناقدریوں کا شکار ہو کر عالم برزخ کی
حدود میں چلا گیا ہوگا"

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ راقم الحروف
نے مولانا کے مکتوبات اور نثر کے ضمن
میں ذکر کیا ہے کہ مولانا کے علوم و معارف
کا فی ذخیرہ عقیدت نہیں بلکہ عقیدتمندوں
کی تغافل شعاری کی نذر ہو گیا۔"

مبارک اے قطعۂ ارض دیوبند تجھے

خدا نے رتبۂ عالی عطا کیا تجھ کو — نشانِ قاسم و محمود مرحبا تجھ کو
بہت بلند زمانے میں ہے مقام ترا — اسی لیے تو ہے دار العلوم نام ترا
تجھے رشید ملا یا کوئی حبیب ملا — بہت بلند بہت معتبر نصیب ملا
ملی ہے دیدۂ یعقوب کی چمک تجھ کو — ملی ہے گیسوئے اشرف کی بھی مہک تجھ کو
تری جبیں میں تجلی ہے روئے انور کی — تری نظر میں جھلک ہے جمال اصغر کی
ترا جمال نکھارا حسین احمد نے — تجھے حسین بنایا حسین احمد نے

مبارک اے چمنستان رنگ و بو تجھ کو
ملا ہے حضرت طیب سا خوب رو تجھ کو

یہ جشن جیسے نگاروں کا اک ہجوم یہاں — اتر پڑے ہیں فلک سے مہ و نجوم یہاں
یہ جشن کاہکشاں کا حسین منظر ہے — یہ رقص کرتی ہوئی زندگی کا مظہر ہے
یہ جشن صبح سعادت کا ایک نظارہ — ارم میں جیسے کوئی نور کا ہو فوارہ
یہ جشن تیرے تقدس کا اک نشاں جیسے — ترے ارادۂ محکم کا ترجماں جیسے
یہ جشن دعوتِ فکر و نظر ہے کیا کہیے — اسے کتاب الٰہی کا مدعا کہیے

تو ایک شمع ہے تیرے ہزار پروانے
کہاں کہاں سے چلے آئے تیرے دیوانے

خدا کا شکر تری زیست رائیگاں نہ گئی — یہاں سے علم کی خوشبو کہاں کہاں نہ گئی
ترے وجود نے ملت کو زندگی دے دی — ترے قیام نے دنیا کو روشنی دے دی
جہاں میں سنت خیر الوریٰ کو عام کیا — بلند اور بھی اسلام کا مقام کیا
تیرے افق سے تیرے آفتاب کیا اٹھے — تمام منبر و محراب جگمگا اٹھے
کچھ اس طرح سے بکھیری ہے روشنی تو نے — فضائے کفر میں ہلچل سی ڈال دی تو نے
ترے جیالوں نے شمشیر جب اٹھائی ہے — ہر اک محاذ پہ باطل نے منھ کی کھائی ہے

خدا نے بخش دیا رتبۂ بلند تجھے
مبارک اے قطعۂ ارض دیوبند تجھے

محشر صادقی، نظام آباد، اعظم گڑھ

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سید نفیس الحسینی

"نیشنل سنٹر لاہور میں پڑھا گیا"

ہجرت سے چھ ماہ پہلے ، ۲۷ رجب سنہ نبوی
کو معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوت السموٰت
والارض کی سیر کرائی ۔"

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد
عثمانیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :
علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس
تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے
اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیاحت کو
"معراج" کہتے ہیں ۔

معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہؓ
سے منقول ہیں جنہیں معراج واسراء کے
واقعات ومشاہدات بسط وتفصیل سے
بیان ہوئے ، جمہور سلف وخلف کا عقیدہ
یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت
بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی
قرآن پاک میں ارشاد باری ہے :

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ
لیلا من المسجد الحرام الی المسجد
الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہ
من ایاتنا انہ ھو السمیع البصیر

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ
علیہ اس آیت پاک کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں
"پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے
کو راتوں رات ، ادب والی مسجد سے پرلی مسجد
جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھائیں
اسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے ، وہی ہے سنتا
ہے دیکھتا ۔" اس آیت پاک پر فائدہ یہ
لکھا ہے کہ حقتعالیٰ اپنے رسول کو معراج
کی رات لے گیا مکے سے بیت المقدس
تک براق پر اور آگے لے گیا آسمانوں پر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث
حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں
"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ
تک ، پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں
تک کہ خدا نے چاہا ، سیر کرائی گئی ، اور
یہ سب کچھ جسم مبارک کے ساتھ بیداری
میں تھا ۔"

احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل
آئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

"ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
ام ہانی کے مکان میں استراحت فرما
تھے ، نیم خوابی کی حالت تھی کہ یکا یک
چھت کھلی اور جبرائیل امین نازل ہوئے
ان کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے ، حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگایا اور
مسجد حرام میں لے گئے ، پھر بیئر زمزم
پر جا کر آپ کو لٹایا اور آپ کے سینہ
مبارک کو چاک کیا ، اس میں سے قلب
اطہر کو نکال کر زمزم کے پانی سے خوب
دھویا پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو
ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا ، اس
ایمان اور حکمت کو آپ کے قلب مقدس
میں بھر کر سینۂ مبارک کو ٹھیک کر دیا
اور دونوں شانۂ مبارک کے درمیان
مہر نبوت لگائی گئی ۔ بعد ازاں براق لایا
گیا ، براق ایک بہشتی جانور ہے ____
جو سفید رنگ برق رفتار تھا جس کا ایک قدم
منتہائے نظر پر پڑتا تھا ۔ جب آپ اس پر
سوار ہوئے تو شوخی کرنے لگا ، جبرئیل امین
علیہ السلام نے کہا اے براق ، یہ کیسی شوخی
ہے ، تیری پشت پر آج تک محمد الرسول
اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ کوئی
اللہ کا مکرم اور محترم بندہ سوار نہیں ہوا
براق شرم کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو گیا ،
اور حضور اکرم کو لیکر روانہ ہوا ، آپ اس
شان سے روانہ ہوئے کہ جبرائیل ومیکائیل
آپ کے ہمرکاب تھے ، راستے میں عالم
برزخ کے عجائبات آپ نے مشاہدہ
فرمائے ____ آپ نے اعمال کی جزا
وسزا عالم مثال میں دیکھی ۔"

الغرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم بیت المقدس پہنچے اور براق سے
اترے ۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ حضور نے اس براق کو اس
حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء کرام
علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے
تھے، بعد ازاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور
دو رکعت تحیۃ المسجد ادا فرمائی،

سید الاولین والآخرین کے استقبال
کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام پہلے ہی
سے سراپا انتظار و چشم براہ موجود تھے، جن
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تھے، پھر
ایک مؤذن نے اذان کہی اور سید المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت و اقتداء میں
جملہ انبیاء و ملائکہ نے نماز ادا کی،

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی آمد پر آسمان
سے فرشتے بھی نازل ہوئے اور حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیاء کی
اور ملائکہ سب کی امامت فرمائی،

جب نماز پوری ہوگئی تو ملائکہ نے جبرائیل
امین سے دریافت کیا کہ یہ تمہارے ہمراہ
کون ہیں، جبرائیل نے جواب دیا کہ یہ محمد
الرسول اللہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہیں،

بعد ازاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہ السلام
حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ
علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیاء کرام
کی ارواح مبارکہ سے ملاقات فرمائی، سب
نے اللہ کی حمد و ثنا کی، حضور اقدس صلی
اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک خطبہ تمہید ارشاد
فرمایا، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے تمام انبیاء کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ
ان ہی خصائص اور کمالات کی وجہ سے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ گئے ہیں

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم نے جبرائیل امین اور دیگر ملائکہ کے
جلو میں آسمانوں کی طرف عروج و صعود
فرمایا، اور ساتوں آسمانوں سے گذرے
آسمانوں میں حضرت آدم، حضرت یحییٰ
حضرت عیسیٰ، حضرت یوسف، حضرت
ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ
اور حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہم
اجمعین سے ملاقات ہوئی، اور مکالمہ
و مخاطبہ ہوا،

"ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے
یہ ایک مسجد جو خانہ کعبہ کے محاذات میں
واقع ہے ستر ہزار فرشتے روزانہ
اس کا حج اور طواف کرتے ہیں"،

ساتوں آسمانوں سے گذر کر حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کی طرف
بلند کئے گئے،

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ سدرۃ
المنتہیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"سدرۃ المنتہیٰ، سات آسمان سے
اوپر ایک درخت ہے بیری کا، وہ حد ہے
نیچے اور اوپر میں (یعنی عالم خلق اور عالم امر
میں) نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور
اوپر والے نیچے نہیں اترتے، اسی کے پاس
بہشت ہے اور اس بیری پر چھا رہے
ہیں پروانے سنہرے، ایسے خوش رنگ
جس کے دیکھنے سے دل کھنچا جائے"،

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں سدرۃ
المنتہیٰ پر پہنچا، جہاں عجیب و غریب الوان
اور رنگتیں دیکھیں، مجھے معلوم نہیں کہ
وہ کیا تھیں، پھر میں جنت میں داخل کیا گیا
تو اس کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی
اس کی مشک کی تھی،
جنت کی سیر کے بعد آپ کو جہنم بھی دکھلائی گئی
اس کے بعد آپ کو اور عروج ہوا اور ایسے
بلند مقام پہنچے، جہاں قلموں کے چلنے
کی آواز سنائی دے رہی تھی، اس مقام
پر قضا و قدر کے قلم کتابت میں مشغول تھے
ملائکۃ اللہ لوح محفوظ سے امور الٰہیہ
اور احکام خداوندی نقل کر رہے تھے
اس جگہ کو مقام "صریف الاقلام" کہتے ہیں
پھر مقام صریف الاقلام سے چل کر حجابات
نورانیہ طے کرتے ہوئے آپ بارگاہ قدس
میں پہنچے، علماء ربانی لکھتے ہیں کہ آپ
کی سواری کے لئے ایک رفرف یعنی ایک
سبز مخملی مسند، آئی آپ اس پر رونق
افروز ہوئے اور بارگاہ دنیٰ فتدلّٰی
فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں
پہنچے،

اس حریم قرب میں آپ بارگاہ بے نیاز
میں سجدہ ریز ہوگئے"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے لئے ایک
دروازہ کھولا گیا اور میں نے نور اعظم کو
دیکھا اور پردہ میں سے موتیوں کی ایک
رفرف دیکھی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے جو کلام

بقیہ : احادیث الرسولؐ

پر گذر بسر ہوتی ہے گھر کا کام کاج عورتوں نے چھوڑ دیا چکی گئی، چرخہ گیا، سینے پرونے کا کام گیا، گھر کی صفائی گئی، کھانا پکانا گیا اور ہر چیز میں نوکروں اور نوکرانیوں کی خدمات تلاش کی گئیں۔ اس سے معاشرتی بگاڑ اور اخلاقی فساد پیدا ہوا۔ معاشرہ میں طبقاتی کشمکش نے جنم لیا اور "حقیقی" لوگ "کمین" کہے جانے لگے اور انہیں نفرت و حقارت کا نشانہ بنا لیا گیا جس سے شرف انسانی مجروح ہوا

کتنا تفاوت اور فرق ہے
اللہ کے نبیؐ کے ارشادات و عمل
اور امت کی طور طریق میں ——
فیا حسرتا۔

ب : ضمناً یہ معلوم ہوا کہ اہل بیت کون ہیں؟ لوگوں نے اس لفظ کے مصداق کے تعین میں بلاوجہ کھینچا تانی کی —— قرآن عزیز نے حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات سلام اللہ علیہن کو صراحتاً کو اسی عنوان کا معنون بتلایا اور بس۔ لیکن امت اور اس کا بالخصوص وہ طبقہ جن کی غذا چٹخے دار تقریریں ہیں اور جو بے عمل واعظ اور پیشہ ور مقرر کہے جاتے ہیں انہوں نے اہل بیت کو کیا سے کیا بنا ڈالا۔ یہ حدیث اس کے تعین میں بڑی واضح ہے کہ اللہ کے نبیؐ اپنے گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہتے۔ یہاں گھر والوں سے کون مراد ہے؟ سمجھنا مشکل نہیں؟ یوں اگر وسعت دی جائے تو امت کا ہر صاحب صلاح و تقویٰ حضور علیہ السلام کے آل کا فرد ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔

ج : تیسری بات نماز کی ہے۔ خدمت و محنت کا سلسلہ جاری رہتا لیکن نماز کا وقت آ جاتا تو پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خالق کائنات کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ نماز جتنی اہم چیز ہے وہ معلوم ہے۔ قرآن ابتدا سے انتہا تک اس فریضہ کی تاکید سے بھرا ہوا ہے۔ پیغمبر عربیؐ کے ارشادات کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آخری وصیت نماز کی تھی۔ قرآن نے نماز کو حکمرانوں کا فرض اولیں بتلایا —— حضور علیہ السلام نماز کے جتنے حریص تھے اس پر دسیوں حدیثیں شواہد کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ صحابہ علیہم الرضوان کے بقول جو نماز نہیں پڑھتا اسے ہم مسلمان خیال نہیں کرتے تھے کہ اسلام کی ظاہری نشانی یہی ہے۔ نماز ایک ایسا فرض ہے جس میں رعایتوں کا سلسلہ دراز تر ہے لیکن معافی نہیں۔ قیام کی طاقت نہ ہو تو قعود کی اجازت ہے ایسا ممکن نہ ہو تو لیٹ کر پڑھی جا سکتی ہے۔ رکوع، سجدہ مشکل ہو تو اشارہ کی اجازت ہے، پانی نہ ہو یا اس کے استعمال کی قدرت و اجازت نہ ہو تو زمین پر تیمم ہو سکتا ہے۔ سفر ہو تو سنن معاف اور فرض چار کے دو ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھاگتے بھاگتے پڑھنے کی اجازت ہے اور انتہا یہ ہے کہ خندق کی جنگ کی انتہائی شدت ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی نماز قضا ہو گئی۔ آپؐ نے کبھی کافروں کے لیے بد دعا نہیں کی لیکن آج کر دی اور عرض کیا اے اللہ! ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنا دے —— یہ سب کچھ نماز کے اہتمام و تاکید کا قصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو توفیق دے۔ آمین!

حافظ محمد ابراہیم صاحب فانی، اکوڑہ خٹک

حجۃ الاسلام حضرت مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بحیثیت ایک ادیب و شاعر

آپ کے مذاق شعر و شاعری سے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سوانح قاسمی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مولوی صاحب کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحب نانوتوی رح فارسی بہت عمدہ جانتے تھے، اردو کے شاعر تھے اور کچھ کچھ عربی سے بھی آگاہ تھے، بڑے تجربہ کار اور پرانے آدمی تھے، ہنگام آغاز حکومت انگریزی سہارنپور میں وکیل ہوئے اور نہایت عزت و احترام اور تمول سے گذران کی نہایت طباع اور خوش فہم تھے،،

مولانا کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر و سخن کا چسکا آپ کو موروثی ملا ہے اس واسطے دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں

،،جناب مولوی محمد قاسم صاحب لڑکپن سے، ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز و سیع حوصلہ، جفاکش، جری، چست و چالاک تھے مکتب میں سب ساتھیوں سے اول رہتے تھے، قرآن مجید بہت جلد ختم کر لیا، خط اس وقت سب سے اچھا تھا، نظم کا شوق اور حوصلہ تھا، اپنے کھیل اور بعض قصے نظم فرما لیتے اور لکھ لیتے — سوانح قاسمی،

حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہی حضرت قاسم العلوم کی شاعری پر یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں،،

،،ایک طرف حضرۃ نانوتوی نے اردو نثر کو علمی و فنی اصطلاحات کے خزانے عطا فرمائے اس کو معارف لدنیہ کا حامل بنایا، قبلہ نما بطور تحفہ پیش کیا، آب حیات کے جرعہ ہائے حیات بخش پلائے، اس زبان میں اونچے اور مشکل مضامین کے علاوہ اپنی سادہ کلامی کے عمدہ نمونے پیش کئے دوسری طرف اردو نظم کے دامن کو اعلیٰ تخیل اور بلند جذبات سے زینت بخشی اگر مولانا کا پورا مجموعہ کلام دستیاب ہو جاتا تو میں اپنے اس دعویٰ میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ اپنے زمانے کے دہلی کے بڑے بڑے شعراء سے قادر الکلامی میں کسی طرح کم نہیں تھے،،

واردات کا تسلسل کبھی کبھی نہیں بلکہ بسا اوقات ارتجال و بدیہہ گوئی پر منتج ہوتا ہے، چنانچہ یہی مولینا امروہوی فرماتے ہیں

،،حضرت مولانا نانوتوی کی اردو شاعری کے متعلق ابھی چند دن ہوئے احقر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ سے گفتگو کر رہا تھا، مولانا نے فرمایا کہ میں نے متعدد بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی رح نے ایک دفعہ فرمایا کہ بعض وقت شاعرانہ مضامین کی آمد کیفیت کی اس قدر آمد ہوتی ہے، کہ مجھے خیال آتا ہے کہ پورا وعظ برجستہ نظم میں کہدوں، مگر چونکہ یہ خلاف سنت ہے اس لئے اس سے پرہیز کرتا ہوں،

قصائد و غزلیات میں آپ نے مقطع میں بجائے تخلص کے اپنا نام قاسم ہی استعمال کیا ہے، تلمذ اور طرز شاعری کے بارے میں پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی صاحب رقم طراز ہیں۔

،،جہاں تک مولانا کی ان تصانیف یا خطوط کا تعلق ہے جو مطبوعہ ہمارے سامنے ہیں ان سے آپ کے اُستاذ سخن کا کوئی پتہ نہیں چلتا، حالانکہ روحانیات میں بارہا جگہ مولانا نے اپنے مرشد کامل حاجی امداد اللہ صاحب کا نام لیا ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شعر و سخن کے لئے اپنا کوئی استاد منتخب نہیں فرمایا بلکہ خداداد لیاقت اور شاعرانہ فطرت ہی آپ کی استاذانہ قوتوں کو ترقی کی راہ پر لے جا رہی تھیں اس لئے یہ بھی کہنا آسان ہے کہ آپ کے کلام پر مذکورہ حضرات میں سے کسی کا کوئی خاص شاعرانہ رنگ نہ تھا، بلکہ آپ کے طرز

شاعری پر اس دور کے بعض شعراء مثلاً
ذوق کا رنگ اور قصائد میں سودا کا اثر
نظر آتا ہے۔"

لیکن مولینا نسیم احمد فریدی صاحب کی تحریر
سے معلوم ہوتا ہے کہ "آخر وہ مولانا مملوک
علی نانوتوی جیسے ادیب وقت کے شاگرد
رشید تھے، جنہوں نے دیگر علوم کے علاوہ علم
ادب بھی شاہ عبدالعزیز رحمہ محدث دہلوی
کے ایک ذہین شاگرد مولانا رشید الدین دہلویؒ
سے حاصل کیا تھا، مولانا مملوک علی دہلی کے
بعض ان مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں
جو بادشاہ دہلی کی سرپرستی میں دہلی میں
منعقد ہوتے رہتے تھے"

آپ کے قصائد کا مجموعہ قصائد قاسمی کے
نام سے مشہور ہے، ان قصائد میں پہلا
قصیدہ بہاریہ ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی نعت میں نہایت والہانہ اور عاشقانہ
انداز میں لکھا ہوا ہے اور جو عشق رسول
میں سر تا پا محویت کا منظر پیش کرتا ہے
اس نعتیہ قصیدے کے ایک سو اکیاون
اشعار ہیں"

پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی صاحب نے
اس میں تمام اصنافِ سخن پر سیر حاصل بحث
کی ہے اور نہایت عرق ریزی سے ان پر
کلام کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

مولانا کا قصیدہ جو بہاریہ کے نام سے
معنون ہے، اس کے ابتدا میں تشبیب
کے اشعار ہیں، جو اڑتالیس کی تعداد میں
ہیں، اور ان سب اشعار میں بہار اور
اس کے متعلقات یعنی چمن بلبل، نغمہ سرائی
برگ گل، غنچہ شجر طوبیٰ قوت نامیہ سبزہ
صحن چمن، لالہ داغ نسیم شبنم آب
جوبار، سایہ یاسمین، مہدی، خار وغیرہ
وغیرہ"

ایک سو اکیاون اشعار میں سے اڑتالیس
اشعار کی تشبیب مولینا کی قدرت تامہ
کا پتہ دیتی ہے"

بطور نمونہ اس کے چند اشعار ملاحظہ
ہوں:

نہ ہوئے نغمہ سرا کس طرح سے بلبل زار
کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار
ہر ایک کو حسب لیاقت بہار دیتی ہے
کسی کو برگ کسی کو گل اور کسی کو بار
سمجھ کے غنچۂ لالہ کرے ہے گل ورنہ
نسیم تیز کو کچھ شمع سے نہیں پیکار
ثنا کرا سکی فقط اور سبکو قاسم چھوڑ
کہاں کا سبزہ کہاں کا چمن کہاں کی بہار

دوسرا قصیدہ اردو زبان میں
سلطان عبدالحمید خلیفۃ المسلمین کی شان
میں لکھا ہوا ہے اس قصیدے میں
چھپن اشعار ہیں،

تیسرا قصیدہ فارسی زبان میں
ہے یہ بھی سلطان مذکور کی مدح میں ہے
اس قصیدے کے انچاس اشعار ہیں
چوتھا ایک اور قصیدہ ہے جو عربی زبان
میں ہے، یہ بھی سلطان مذکور کی توصیف
چونسٹھ اشعار میں ہے

ایک شجرہ خاندان چشتیہ صابریہ ہے
جو فارسی اشعار میں ہے از اول تا آخر
دعائیہ اشعار ہیں، یہ منظوم شجرہ بہتر
اشعار تک پھیلا ہوا ہے

آپ نے غالب، اور ذوق و مومن
کی مشہور طرحی غزل کی زمین میں جو غزل
لکھی ہے، وہ مولانا نسیم احمد فریدی نے
پھلاؤدہ ضلع میرٹھ کے کتب خانے سے
حاصل کی ہے، ملاحظہ ہو:

رقیب مہر کے قابل عدو وفا کے لئے
بنے تھے ہم ہی فقط آپ کی جفا کے لئے
نہیں تو صبر کو کہتے ہیں شیخ وواعظ سب
انہیں تو کوئی بھی کہتا نہیں وفا کے لئے
وہ بات کیا ہے کہ مر کر بھی قاتل بے رحم
قتیل تیرے تڑپتے رہے جفا کے لئے
جفا بجائے وفا اور ستم بجائے کرم
ہوا کہیں بھی کسی کے یہ آشنا کے لئے
کھڑے کھڑے گاہ و بیگاہ کا تیرا آنا
بلائے تازہ ہے اک جان مبتلا کے لئے
تفقد اس کا تمہیں اپنے آپ لازم ہے
زباں ہل نہ سکے جس کی التجا کے لئے
جفائیں کیجئے پر تم کو زیب دیتا ہے
جفا بھی ہووے تو قاسم سے باوفا کیلئے

دوسری غزل ملاحظہ فرمائیں

جما کر تیری صورت روبرو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
کہا کرتے ہیں کہتا نامہ بر یاد
رخ گلفام و زلف مشک بو ہم
اگر یونہی کٹی یہ زندگانی
تو لے جائیں گے کیا کیا آرزو ہم
نگاہ لطف کے ہیں زخم دل میں
کریں اے چارہ گر کیونکر رفو ہم
پڑا رہنے دے اے شوق دل آرام
ابھی بیٹھے ہیں پھر کر چار سو ہم
بس اتنا تنگ مت کر وحشتِ دل
لئے بیٹھے ہیں اپنی آبرو ہم

لبِ شیریں سے تمہ کامی تو معلوم
پئیں گے ہم اب اپنا لہو ہم

نہ جاناں ہے نہ جاں ہے اور نہ دل ہے
کریں کس کس کی یا رب جستجو ہم

نہیں ساقی تو ہمدم چھوڑ دینگے
کسی پتھر پہ ساغر اور سبو ہم

پئے تشہیر مشتِ خاکِ قاسم
اڑائیں گے کہیں بھی کو بکو ہم

تیسری غزل کے چند منتخب اشعار —

اگر مشقِ ستم کو واں نشانہ چاہیئے کوئی
تو مر جانے کو ہم کو بھی بہانہ چاہیئے کوئی

کسی کا حال کچھ ہو اور کسی پر کچھ گذر جائے
مگر زلفوں کے سلجھانے کو شانہ چاہیئے کوئی

ہمارا غم غلط ہو کر نہ ہو ہمدم سے پر تم کو
تغافل کے لئے ہم سے بہانہ چاہیئے کوئی

یہ مانا قاسم آزاد وحشی ہے مگر سنیئے
وحوشِ دشت و صحرا کو بھی خانہ چاہیئے کوئی

غالب کے انداز میں حضرت نانوتوی کی غزل کے چند اشعار :—

یوں حسن میں ہیں اور بھی کم اور زیادہ
پر آپ میں ہے طرزِ ستم اور زیادہ

وہ پیار کی باتوں میں خفا ہو گیا یا رب
تھی ہم کو تو امید کرم اور زیادہ

اے چارہ گرِ عشق نہ کر وصل کی تدبیر
کھو دیں گے مجھے لطفِ صنم اور زیادہ

کچھ ناز کا دعویٰ ہے اگر اپنا سمجھ کر
تو ہاں بھی ہیں اپنی قسم اور زیادہ

[illegible] ہے دیکھئے قاسم پہ محبت
[illegible] ہے ہم گر کوئی دم اور زیادہ

[illegible] غزل کا بہترین شاہکار [illegible]

عاشقوں سے وہ صنم کیا شاد ہو
گر کبھی کو شکوۂ بیداد ہو

قتلِ عاشق اک پرانی بات ہے
ہاں ستم گر کچھ نئی ایجاد ہو

آرزوئیں ہو گئیں سینے میں خاک
دل لگا کر خاک کوئی شاد ہو

اپنی مشتِ خاک اور یہ آرزو
کوچۂ دلدار میں برباد ہو

بھول کر دیکھیں کہو تو ہم۔ اگر
بھول جانا انتقام یاد ہو

بے نیازی کا مزہ جانے وہی
جس کے سینے میں دل ناشاد ہو

قاسم دیوانہ میں دیکھی یہ بات
کشتۂ غم ہو کے غم میں شاد ہو

- - - - - - - -

دردِ عشق میں لذت کا نقشہ کس نرالے انداز میں پیش کیا ہے، فرماتے ہیں،

. . . .

مروں ہوں مری ناتوانی تو دیکھو
سرِ مرگ ہے شادمانی تو دیکھو

پڑے نقشِ پا کی طرح پر جہاں ہم
وہیں مر مٹے ناتوانی تو دیکھو

خدنگِ نگہ کی روانی تو دیکھو

ستم گر کی زلف و نگہ سے ہمیشہ
نپٹتے ہیں ہم سخت جانی تو دیکھو

نہ ہو دل کو تسکین نہ کچھ آس ٹوٹے
ذرا آپ کی خوش بیانی تو دیکھو

مری تلخ کامی میں لذت سی لذت
ستم گر کا لطف نہانی تو دیکھو

اجل کی تمنا تھی مر کر بھی وہ ہی
مرا غم، غمِ جاودانی تو دیکھو

تمہاری تو شیرینیٔ لب نہ دیکھی
پر قاسم کی شیریں بیانی تو دیکھو

. . . .

مولینا کے لئے مشکل سے مشکل زمین میں شعر لکھنا آسان تھا، مولینا حافظ عبد الرحمن کی زبانی اس غزل کا پتہ چلا ہے جو ذوق کی غزل پر لکھی تھی، ذوق کی غزل کا مطلع یہ ہے " ؎

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

اس زمین میں حضرت نانوتوی کا صرف ایک شعر جو حضرت حافظ صاحب کو یاد رہ گیا تھا

میں کیا کروں کہ پر تیرے ناوک کا جل گیا
رکھتا تھا اس کو داغ سے دور اور شکستہ پر

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی لکھتے ہیں کہ حافظ عبد الرحمن صدیقی مفسر امروہی رح جو کہ اکابر دیوبند خصوصاً مولانا نانوتوی رح کے آخری چند سال کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے، فرماتے تھے کہ مولینا نانوتوی رح نے دیوان اللہ دیا کی فرمائش پر ایک مثنوی لکھی تھی، جو پانچسو اشعار پر مشتمل تھی، اس کا ایک شعر یہ ہے

ضعف سے ہو گیا دمِ رفتار
تن کو سائے کا تھامنا دشوار

جماعت کی طرف سے مولینا نسیم احمد فریدی صاحب اور خصوصاً پروفیسر انوار الحق شیرکوٹی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، حضرت نانوتوی کی ادبیات کو سمجھنے کے لئے ادبیات قاسمی پروفیسر شیرکوٹی صاحب کا رسالہ دار العلوم ۱۳۷۳ھ کے

(باقی ص ۱۹ پر)

تحریک مجاہدین ـــــ پس منظر

واقعات ۔ الزامات اور اُن کی حقیقت

> دی مسلم ان برٹش انڈیا کے انگریز مُصنّف P. HARDY لکھتے ہیں کہ (حضرت) سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مغلوں یا مغل اشراف کی بحالی نہیں بلکہ ہندوستان کی سرحد پر قرونِ اولیٰ کی اسلامی سوسائٹی کا ایک نمونہ پیش کرنا تھا انہیں یقین تھا کہ یہ نمونہ مسلمانوں کو ایسا فیضان بخش سکتا ہے کہ ایک دن وہ ہندوستان کو اللہ کے لیے فتح کرلیں گے ۔ ان کے پیغام نے اعلیٰ طبقوں کو نہیں بلکہ ہندوستان کی مسلم سوسائٹی کے نچلے طبقات کو متاثر کیا۔
> (صفحہ ۵۸ مطبوعہ ۱۹۷۲ء CANAIDV)

ظہیر میر ۔ جامعہ پنجاب ۔ لا کالج ۔ لاہور

۱۵۹ سال قبل (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو موجودہ ہزارہ ڈویژن کے ایک دشوار گذار پہاڑی قصبہ بالاکوٹ میں قدوسیوں کا ایک قافلہ اپنی جانیں اللہ کے حضور قربان کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سرخرو ہوگیا ۔ اس قافلہ سخت جان کی تحریک کو بالعموم تحریک جہاد مجاہدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور خود یہ حضرات شہداء بالاکوٹ کے نام سے متعارف و معلوم ہیں ۔ آج کی یہ نشست انہی حضرات کی یاد میں منعقد ہو رہی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس تحریک کا کسی قدر پس منظر ، حالات اور اس کے سلسلہ میں پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں سے متعلق اپنی معروضات آپ کے سامنے پیش کروں ۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے اپنے ایک رسالہ میں بعض قدیم مصنفین کے حوالوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ السلام کی دنیا میں جو تشریف آوری ہوئی تو ہندوستان (موجودہ بھارت ، پاکستان ، بنگلہ دیش وغیرہ) کے ایک حصہ میں ہوئی ۔ اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے براہ راست فیض یافتہ حضرات کے قافلے اس خطے میں تشریف لائے اور ان کی گرمیٔ ایمان رنگ لائی اور یہاں کے کئی حصوں میں اسلام کا نور پھیل گیا ۔ تیسرے خلیفہ راشد اور پیغمبر اسلام کے دوہرے داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں مجاہدینِ اسلام کی جہادی سرگرمیوں کا بھی پتہ چلتا ہے الغرض یہ خطہ ابتدائے اسلام میں ہی اس نغمہ جانفزا کی حیات آفرینی سے بہرہ ور ہو چکا تھا جس کی شیرینی و مٹھاس نے ایک دنیا کو خوش کام کیا تھا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں سلاطین اسلام کے کئی خاندان اور ارباب علم و طریقت کے کئی [illegible] معروف عل نظر آتے ہیں جنکی سعی و کاوش اس دھرتی پر اسلام کی حقانیت اور اس کی روشنی کو پھیلانے کا باعث بنی ۔

سلاطین اسلام کے مختلف خاندانوں میں مغلیہ خاندان کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کا پہلا بادشاہ یہاں بابر تھا تو آخری سراج الدین بہادر شاہ ظفرؔ

اس خاندان کے بعض افراد نے خاصی زیادتیاں بھی کیں لیکن بالعموم ان زیادتیوں کے پس منظر میں ان لوگوں کا ہاتھ نظر آتا ہے جو علم و طریقت کے خادم سے بڑھ کر اس کے بیوپاری تھے یہی وجہ ہے کہ جب کسی اہل باطن اور اہل صدق نے اصلاح کی طرف توجہ دلائی تو حالات کا رخ تبدیل ہوگیا اس سلسلہ میں حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مثال بڑی واضح ہے جن کی نورالدین جہانگیر سے ٹھن گئی لیکن بالآخر جہانگیر اپنی غلطی کا معترف ہو کر آپ کا عقیدت مند ہوگیا اور اس نے

اپنے لڑکے شاہجہان کو آپ کے حلقۂ
ارادت میں شامل کر دیا شاہجہان کی
اولاد میں حصول اقتدار کی جس کشمکش کا
مؤرخین ذکر کرتے ہیں اس میں حضرت
مجددؒ کے خاندان اور آپ کے فیض یافتہ
بزرگوں کی ہمدردیاں واضح طور پر غازی
اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ تھیں اس
کا اثر حضرت سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں
یہ ہوا کہ اورنگ زیب کے برسر اقتدار آنے
سے یہاں اسلام کو جو خطرات تھے، وہ
ٹل گئے فتوحات و ترقی کے اعتبار سے
اورنگ زیب کا دور جہاں مثالی دور ہے
وہاں "ہر کمالے را زوالے" کی سنت الٰہی
کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے لیکن یہ عجیب اتفاق
ہے کہ بقول سید سلیمان ندویؒ ایک شاہی
خاندان رو بہ زوال تھا تو دوسرا دہلی کے افق
پر چمکنے کی تیاری کر رہا تھا، سید صاحبؒ کی
مراد حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے
ہے شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت
شاہ عبدالرحیمؒ اورنگ زیب عالمگیر کے
ہمعصر تھے اور جو علماء فتاویٰ عالمگیری کی
ترتیب و تدوین میں شامل تھے، ان کی
اعزازی نگرانی بھی فرماتے تھے انہوں نے
وطن کے افق پر امنڈتے ہوئے خطرات کو
روکنے کے لیے مدرسہ رحیمیہ کی داغ بیل ڈالی
اور آپ کا صاحبزادہ ولی اللہ جو بعد میں
امام اور حکیم الامت کہلایا اورنگ زیب
کی وفات سے چار سال قبل دنیا میں
تشریف لایا۔ اہل تاریخ اس بات پر
متفق ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ مدینہ طیبہ
میں زندگی گذارنے کی غرض سے وہاں
تشریف لے گئے تھے اور دو سال انہوں
نے وہاں قیام بھی کیا لیکن بعض غیبی اشارات
کے سبب وہ واپس تشریف لائے تو
ان کے ذہن میں اصلاح احوال کے لیے
ایک واضح خاکہ موجود تھا جسکو بالعموم
دو لفظوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی
فک کل نظام شاہصاحب نے جس
زمانہ میں حجاز میں قیام فرمایا وہ دور
ترکی کی خلافت عثمانیہ کا تھا بلاشبہ یہ اس
دور کی سب سے بڑی حکومت تھی آپ
نے علمی و روحانی مشاغل کے ساتھ اس
حکومت کے اندرونی حالات کا گہری نظر
سے مطالعہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اندرونی
حالات کسی بھی شعبہ میں حوصلہ افزا نہیں
پھر مرکز اسلام میں موجود ہونے کے
سبب اطراف کے زائرین سے پوری
طرح حالات کی تحقیق کی، رہ گیا ہندوستان
تو وہ آپ کا مولد و منشا تھا اس لیے اس
کے حالات سے آپ بخوبی واقف تھے
ایک خط کا ٹکڑا ہے۔

احوال ہند برما مخفی نیست کہ
خود مولد و منشا فقیر است بلاد
عرب نیز دیدم و احوال مردم
ولایت (ترکی حکومت کے یورپین
مقبوضات) از ثقات اینجا
شنیدم (التمہید فی ائمۃ التجدید [?]
از مولانا سندھی مرحوم)

اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ان
خرابیوں کا بنیادی سبب شاہ صاحب کے
نزدیک شاہی اور جاگیردارانہ نظام تھا
اور اس کی اصلاح کی شکل ان فرسودہ
طور طریقوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چنانچہ
واپسی پر انقلاب کی خوبو [?] ذہن میں تھی
لیکن اس کے لیے مجاہدین کی رضا کارانہ
فوج بنیادی شرط تھی جس کا ہر فرد مقصد
کے لیے اپنا سب کچھ تج دے۔ شاہصاحب
کی حکیمانہ نظر میں پیشہ ور فوج کسی بھی
صحیح انقلاب کے لیے کارگر اور مؤثر
نہ تھی۔

جہانتک مجاہدین کی رضا کارانہ فوج کا
تعلق تھا وہ کیسے بنے؟ اس کے لیے زمین
ہموار کرنا اور ذہنی و فکری انقلاب ضروری
تھا۔ شاہصاحب کا ترجمہ قرآن، ان کے
ذوق کے مطابق حدیث کی صحیح ترین کتاب
موطا امام مالکؒ کی شرحیں، ازالۃ الخفاء
کے عنوان سے تاریخ اسلام پر خامہ فرسائی،
احکام اسلام کے فلسفہ پر حجۃ اللہ البالغہ
جیسی معرکۃ الآراء کتاب کے علاوہ تصوف و
سلوک اور دوسرے عنوانات پر جو کچھ لکھا گیا
وہ فی الحقیقت ذہنی انقلاب کے نقطۂ نظر
سے لکھا گیا اس وقت کسی منشور (مینی فیسٹو)
کا مرتب شکل میں سامنے لانا مخالف
قوتوں کو چوکنا کر دینے کے مترادف تھا۔
اس لیے اس حکیم الاسلام نے یہ انداز اختیار
کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محنت کو
شرف قبولیت سے نوازا اور ملک کے مختلف
اطراف میں اس کے کئی ایک مراکز قائم
ہو گئے اور مختلف ذمہ دار شخصیات سامنے
آگئیں جو ان مراکز اور اس مشن کی نگران
تھیں۔ پارٹی کے مراکز میں سب سے بڑا مرکز
تو دہلی تھا جس کے متعلق مولانا عبید اللہ
سندھی کی رائے سو فیصد درست ہے کہ ان

شہر میں یہ استعداد موجود تھی کہ یہاں سے یہ تعلیم سارے ملک میں پھیل سکے۔ (شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک صفحہ) اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ سرسید احمد خاں کی آثار الصنادید سے بھی اسی قسم کے اشارات ملتے ہیں۔ دوسرے مراکز کے علاوہ اس مختصر وقت میں محض رائے بریلی کے مرکز کی طرف اشارہ ضروری ہے تاکہ اس شہر کے وہ عظیم فرزند جو آئندہ چل کر تحریک مجاہدین کے قائد و امام قرار پائے ان کے اور شاہ ولی اللہ کے خاندان کا قدیمی تعلق معلوم ہو سکے۔ اس مرکز کا ہیڈ کوارٹر تکیہ شاہ علم اللہ تھا حضرت شاہ علم اللہ نے ۱۵۹۶ء میں اس مکان کی بنیاد رکھی۔ اودھ کے علاقہ میں یہ مرکز نصف صدی پہلے سے رشد و ہدایت کا مرکز بنا ہوا تھا اور حضرت سلطان ٹیپو شہید کی رگوں میں گردش کرنے والا اصلاح خون اور جذبات حریت اسی خاندان کی تربیت کے مرہون منت تھے جن کی تجدید حضرت سید احمد شہید نے اپنے دورہ کے دوران کلکتہ میں ٹیپو شہید کے شہزادوں سے قلعہ میں بحالت اسیری ملاقات کر کے کی۔ مولانا سندھیؒ کی تحقیق کے مطابق مدرسہ نجیب آباد (قائم کردہ نواب نجیب الدولہ) اور مدرسہ ملا محمد معین ٹھٹھہ سندھ بھی تحریک کے اہم مراکز تھے۔ یہ کام ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا سے اٹھا لیا اور اب اتفاق سے آپ کے جواں سال صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ مرکزی قائد و امام قرار پائے۔ شاہ صاحب کے دور میں اس مرکز علمی نے جس طرح ترقی کی اس کا اندازہ مولانا سندھیؒ کے اس اقتباس سے ہوتا ہے جو ایک انگریز سیاح سے موصوف نے نقل کیا کہ پورے ہندوستان میں ایک مدرس ایسا نہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ شاہ عبدالعزیزؒ کا شاگرد نہ ہو۔ (تحریک صفحہ ۱۱) شاہ عبدالعزیزؒ نے تحریر و تقریر، نجی ملاقاتوں اور دوسرے ذریعہ سے اپنے مشن کو وسعت دی۔ آپ نے لوگوں کو سادگی و بے تکلف زندگی گزارنے کا عادی بنایا۔ وہ رسومات جو سوسائٹی کو زوال کی طرف لیجاتی ہیں ان کا قلع قمع کیا لوگوں میں جفاکشی اور فوجی اسپرٹ پیدا کی۔ عیش پرستی اور پست ہمتی کے تمام اسباب پر کاری ضرب لگائی۔ یہ اور اس نوع کے کام خاصے پریشانی کا باعث تھے اور بے پناہ پریشانیاں سامنے آئیں بھی لیکن مقصد سے وابستگی کا سچا جذبہ رکاوٹ کو دور کر دیتا تھا۔ تکیہ شاہ علم اللہ بریلی کا وہ نوجوان جو قیادت و سیادت کے منصب پر سرفراز ہو کر افق عالم پر چمکا مرکز کی طرف متوجہ ہوا۔ ملک کی نظام کے پروگرام کے لیے تیاری زوروں پر تھی تعلیم و تربیت اور ذہنی سازی کا کام جاری تھا ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کا مشہور عالم فتویٰ سراج الہند شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے نکلنے والا تھا کہ ایک شہزادہ بریلی کے آسمان رشد و ہدایت سے ٹوٹ کر امام الہند شاہ عبدالعزیزؒ کی گودی میں آن گرا۔ شاہ صاحب کی مومنانہ بصیرت بھانپ گئی۔ اس نوجوان کی اس نہج سے تربیت ہوئی نواب ٹانک کی فوج میں بھرتی بھی اسی تربیت کا حصہ تھا کہ جنگی اتار چڑھاؤ سے واقفیت حاصل ہو سکے جب نواب صاحب انگریز کی زلف گرہ گیر کا شکار ہو گئے تو حضرت سید احمد واپس پلٹ آئے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف مغل بادشاہ کی دفاعی جدوجہد مسلسل ناکامی پر منتج ہو رہی تھی۔ مغل دربار سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔ سیاسی عدم استحکام، معاشی ابتری اور معاشرتی زبوں حالی عروج پر تھی۔ انگریز دشمن طاقتیں حسرتناک انجام کا شکار ہو چکی تھیں۔ حافظ رحمت خاں شہید والی روہیل کھنڈ ۱۷۷۴ء اور ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو حضرت سلطان ٹیپو شہید ہو گئے جنرل لارڈ ہارس نے ٹیپو کی نعش کو دیکھا تو پکار اٹھا کہ :-

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

(سلطنت خداداد ملیسور صفحہ ۳۰۳)

اس پس منظر میں دارالحرب ہونے کا فتویٰ سامنے آیا جو گویا انگریز کو للکارنے کے مترادف تھا جملہ معترضہ کے طور پر یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ جو لوگ حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد کا رخ محض سکھوں کی طرف بتلاتے ہیں وہ دیانت کا خون کرتے ہیں یہ پورا پس منظر جس کی آخری کڑی شاہ صاحب کا فتویٰ ہے اس میں اصل نشانہ ہی انگریز ہے ___ شاہ صاحب کے فتویٰ کا ابتدائی جملہ ہے :

"دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً
جاری نیست و حکم روسا نصاریٰ
بے دغدغہ جاری است"

خالی یہی جملہ اس بات کے لیے
کافی ہے کہ بلا نوشانِ محبت کا رُخ کس
طرف تھا؟ تفصیل سے قطع نظر اس
فتوٰی کا فوراً اثر یہ ہُوا کہ مسلمان چھوڑ
یہاں کے دوسرے طبقات میں ہلچل مچ
گئی اور لوگوں نے ایسی افواج میں بھرتی
ہونا شروع کر دیا جو انگریزوں سے برسرِ
پیکار تھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس
مرحلہ پر مکمل منصوبہ بندی کر کے حضرت
سید احمد شہیدؒ کو باقاعدہ قیادت سونپ
دی اپنے خاندان کے بعض ذی اثر و ذی
وجاہت حضرات جو عمر میں سید صاحب سے
بڑے تھے سید صاحب سے بیعت ہو کر
آپ کی پالکی کے ساتھ دوڑنا سعادت سمجھتے
ان حضرات میں مولانا عبدالحی بڈھانوی اور
اور مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی خاص طور پر قابلِ
ذکر ہیں، یہی حال پٹنہ کے ذی وجاہت
خاندان کے اکابر علماء مولانا عنایت علی اور
مولانا ولایت علی وغیرہ کا تھا (ملاحظہ ہو ہنٹر
کی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۳)
تنظیم مکمل ہو چکنے کے بعد حرکت و
عمل کا دور آتا ہے جس میں پہلا دورہ دہلی
سے رائے بریلی اور رائے بریلی سے بنارس و
لکھنؤ تک ہُوا۔ یہ ۱۸۱۸ء کی بات ہے یہ
سفر دہلی سے جانبِ شمال شروع کیا گیا
اس سفر کے دوران دیوبند بھی جانا ہُوا۔
یہاں موجودہ دارالعلوم دیوبند کی عمارت کے
قریب مسجد قاضی میں قیام ہُوا جہاں آج
دارالعلوم ہے وہاں ڈھیر تھے قضا حاجت
کے لیے اوھر آنا ہُوا تو فرمایا کہ یہاں علم
نبوت کی خوشبو آ رہی ہے اور بغیر فراغت
واپس چل دیئے۔ یہی حالت ایک عرصہ قبل
حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ پیش
آئی اور پھر قدرت نے یہاں مدرسہ کا
اہتمام کیا۔ غازی آباد، مراد نگر، میرٹھ،
پھلت، مظفر نگر، دیوبند، اور سہارنپور
کے بعد گڑھ مکتیسر تشریف لے گئے۔
وہاں سے رام پور بریلی شاہجہان پور جانا
ہُوا اسی اثنا میں حقیقی بھائی کی وفات
کے سبب چندے گھر قیام کیا۔ اب تحریک
سے دلچسپی لینے والے وہاں آنے لگے۔
اب رائے بریلی سے الٰہ آباد پھر کانپور،
بنارس وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ تشریف
لے گئے۔ اس سفر کا مقصد سماجی اصلاحات
اور جہاد کی تربیت تھی۔ تفصیلات کا
موقع نہیں اس سفر میں جو بے پناہ کامیابی
نصیب ہوئی اس کا اعتراف ہر کسی نے
کیا ہے بڑے بڑے مشائخ جو ہزاروں
علماء و صلحاء کے پیر و شیخ تھے۔ آپ سے
نسبت پر فخر کرنے لگے جن میں اکابرین دیوبند
کے شیخ الشیوخ شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ
رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں اور حاجی امداد اللہ
مہاجر مکیؒ کے شیخ میاں جی نور محمد رحمہ اللہ
بھی تھے ان کے سر پر آپ نے پیار دیا
آپ نے اس سفر کے دوران ہر جگہ
اپنے نقیب اور نائب بھی مقرر کیے۔
جن کی تفصیلی فہرست مختلف تذکروں
میں موجود ہے۔ دارالحکومت لکھنؤ میں
آپ کا قافلہ ۱۸۱۹ء میں پہنچا مختلف
النوع مخالفتوں کے باوجود بے پناہ
کامیابی ہُوئی۔ غازی الدین حیدر جو
فرمانروا تھے انہوں نے آپ کا تجویز کردہ
سکہ رواج دیا اس لیے کہ پہلے سکہ پر
انگریزی مہر لگ چکی تھی۔ اس کو منسوخ
کرا کر آپ نے یہ کام کیا، انگریز دوستی
کا الزام دھرنے والے خوف خدا سے
بے نیاز لوگ اس پہلو پر غور کریں) لکھنؤ
سے واپسی پر چند ماہ رائے بریلی قیام کر کے
سفرِ حج کا اعلان ہو گیا سات ہزار میل
کی انقلاب انگیز سیاحت کی ایک تفصیلی
داستان ہے ظاہری مقصد فریضۂ حج کی
ادائیگی تھی لیکن یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ
ان غربا پر حج فرض تھا؟ اور جن حالات
میں یہ سفر کیا۔ شرعاً وہ اس قابل تھے
کہ حج فرض ہو سکے؟ اصل بات یہ ہے
کہ ایک مجاہد انقلابی کی طرح آپ اس
سفر سے کئی ایک فوائد حاصل کرنا چاہتے
تھے۔ اٹھارھویں صدی میں پرتگالی لوگوں
کی بحری قزاقیوں کے سبب بعض علماء نے
حج کی معافی کا اعلان کر دیا تھا، اس
غلط اعلان کی اصلاح اور دوسرے مصالح
نے اس سفر پر ابھارا اور آپ اللہ کا
نام لے کر چل پڑے بندرگاہ پہنچتے پہنچتے
رفقاء کی تعداد آٹھ سو ہو گئی سرمایہ محض
توکل تھا لیکن بعض رفقاء کی قربانی اور
فتوحات نے سفر کا انتظام کر ہی دیا۔
ڈلمئو پہلا پڑاؤ تھا چلتے چلاتے الٰہ آباد
پہنچے یہاں شیخ غلام علی جیسے مخلص رئیس نے
ہر طرح آرام پہنچایا۔ بارہ روزہ قیام میں
تمام رفقاء کی خدمت کے علاوہ ہتھیاروں
اور اس نوع کی چیزوں کا اہتمام کیا اور
لطف یہ کہ بقول مصنف وقائع احمدی،
"شیخ صاحب جب بھی آپ کے پاس آئے

وہ کوئی بیش قیمت ہتھیار بطور ہدیہ ہمراہ
لاتے" الٰہ آباد کے بعد مرزا پور اور چلتے
چلتے بنارس پہنچنا ہوا اور باقی منزلیں طے
کرکے کلکتہ پہنچے جہاں دو ماہ قیام رہا
کلکتہ کے قیام کی خوشبو پورے بنگال، بہار
آسام، برما اور جاوا تک پہنچی۔ سراج الدولہ
کی قربانیاں مولانا شریعت اللہ کے جہاد کی
شکل میں زندہ تھیں۔ حرمین کے قیام کے
بعد یہ بزرگ ۱۸۰۲ء میں واپس تشریف لائے
تھے۔ ۱۸۰۴ء میں فرائضی تحریک کی انہوں نے
بنیاد رکھی دھودومیاں ان کے خلیفہ و جانشین
تھے (مذاہب ہند کی تحقیقات از مادری
ٹاسٹس ص۱۶۹) کلکتہ کے قیام کے زمانہ
میں بنگالیوں کے وفود کے وفود حلقہ میں
شامل ہوئے فرائضی تحریک کو اس سے
تقویت ملی۔ آپس میں تعلق ہوگیا اور جب
آپ آئندہ سرحد کے محاذ پر نبرد آزما
تھے بنگالی خدام یہاں مصروف عمل و جہاد
تھے۔ کلکتہ میں آپ سلطان ٹیپو کے
شہزادوں سے بھی ملے جو یہاں نظر بند
تھے۔ یاد رہے کہ سلطان کے والد نواب
حیدر علی سید صاحب کے نانا شاہ ابوسعیدؒ
سے بیعت تھے۔ ربیع الثانی ۱۲۳۷ھ کی
آخری تاریخوں میں بندرگاہ سے رخصت
ہوکر سفر حج کے لیے تشریف لے گئے
اور وہاں رحمت ایزدی کو لوٹتے لٹاتے،
۱۲۳۹ھ کے شروع میں بمبئی تشریف
لائے۔ بمبئی بھی کلکتہ بن گئی۔ ۱۸ روزہ
قیام دینی انقلاب کا باعث بن گیا۔ اس
مرحلہ پر نجدی تحریک کے بانی شیخ محمد بن
عبدالوہاب نجدی سے آپ کے تعلقات
کی بحث چھڑ گئی۔ شیخ نجدی مخلص ضرور
تھے لیکن ان کا طرز عمل اسلامی حکمت کے
قریب نہ تھا جس سے کئی ایک نقصانات
ہوئے۔ اسی بحث کو سید صاحب اور تحریک
مجاہدین سے نتھی کرنے کی غرض سے ہنٹر
نے تعلقات کا افسانہ گھڑ کر اس کو
وہابی تحریک کا نام دیا۔ ہنٹر یہ تاثر دیتا
ہے کہ وہابی تحریک سے نسبت کے سبب
سید صاحب اور آپ کے رفقاء کو حکومت
حجاز کی سختیوں کا نشانہ بھی بننا پڑا حالانکہ
یہ بات سو فی صد غلط اور سراسر بہتان ہے
حالت یہ ہے کہ ہنٹر نے ۱۸۱۳ء سے
۱۸۳۱ء کے درمیانی عرصہ کے متعلق لکھا ہے
کہ یہ دور ایسا تھا کہ کوئی وہابی مکہ معظمہ
میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالے بغیر
وہاں پل بھر نہ سکتا تھا۔ پھر سوال یہ
ہے کہ تقریباً دو سال کا عرصہ یہ لوگ
وہاں کیسے رہے؟ ان حضرات کے اخلاف
بالخصوص مولانا رشید احمد گنگوہی اور دوسرے
بزرگوں نے شیخ نجدی کی تحریک و عقائد
سے اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ
بتایا ہے۔ یہ تمام حضرات حنفی المسلک
تھے۔ جبکہ شیخ حنبلی۔ الغرض ہنٹر جو ایک
طرف آپ کو ڈاکو اور قزاق لکھتا ہے
وہاں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے
کہ آپ کا دل برادرانِ وطن کی نجات و
آزادی کے لیے بے قرار تھا آپ کے رفقاء
متقی و پرہیزگار تھے جنہوں نے نفس کشی
کو اپنا فرضِ اولین قرار دے لیا تھا۔
(ص۱۵۸ ہندوستانی مسلمان) یہ اس کے قلم
کے تضادات ہیں جو جگہ جگہ موجود ہیں
اسی طرح کا تضاد وہ بھی ہے جس میں
انہوں نے شیخ نجدی کی تحریک سے آپ کا
رشتہ جوڑا ہے۔ بہرحال حضرت سید صاحب
اور آپ کا قافلہ واپس کلکتہ آیا۔ ایک ماہ
کے بعد رائے بریلی کو چل پڑے۔ ۲۹ اپریل
۱۸۲۴ء کو آپ وطن پہنچے۔ آپ کے نقیب
اور خدام نے آپ کی عدم موجودگی میں مقصد
کی خاطر بے پناہ جدوجہد کی۔ جس کی
تفصیل اپنی جگہ موجود ہے۔ حج سے واپسی
پر اب لوہا گرم تھا مقاصد واضح تھے
ہنٹر لکھتا ہے:۔

پہلے جو چیز خواب و خیال تھی
اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر
آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے
آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں
اسلامی جھنڈا گاڑنے اور صلیب
کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے
دفن کرتے دیکھا۔
(ہندوستانی مسلمان ص۷۹)

اس روشنی کے پیش نظر فوجی طاقت
فراہم ہونے پر ۱۸۲۶ء میں آپ اس سفر
کے لیے نکلے جس کا اختتام بالاکوٹ
پر ہوا۔ آپ راجستھان سے سندھ
وہاں سے قندھار کابل ہوکر شمالی مغربی
سرحد پر پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ راجستھان
کا راستہ اس لیے بھی اچھا تھا کہ پنجاب
میں سکھ گردی کے پیش نظر ابتدا ہی
میں جو خطرات تھے۔ ان سے بچا جائے
یہ الگ بات ہے کہ سفر کے اختتام میں
انہی سے پالا پڑا اور وہ حادثہ رونما
ہوا جس سے ایک طرف اہل دل کو

دھکیا گیا تو دوسری طرف بے گل لوگوں کو
طعنہ زنی کا موقع مل گیا سچ ہے واللہ
علیٰ غالب علی امرہ! اس سفر میں والیٔ ٹونک
کے یہاں قیام کیا جس نے خاصا تعاون
کیا سابقہ دور میں وہ انگریز سے معاہدہ
پر نادم تھا اور اب اس سے گلو خلاصی
کی فکر میں تھا۔ اگلی منزل حیدر آباد سندھ
تھی امیران سندھ کی طرف سے سید
صبغتہ اللہ شاہؒ نے استقبال کیا اس
خاندان کو آجکل پیر پگاڑا کے نام سے
یاد کیا جاتا ہے۔ آج کی تصویر اسس
تصویر سے بالکل مختلف ہے ان حضرات
نے تحریک جہاد میں جو کردار ادا کیا وہ
ایک تاریخی حقیقت ہے پورے سندھ
کو کھنگالنے کے بعد درہ بولان کے دشوار
گذار راستوں کو طے کیا۔ کوئٹہ سے قندھار
پھر غزنی ہوتے ہوئے کابل اور پشاور
پہنچے۔ آزاد مرکز میں قیام ہوتے ہی سکھوں
سے تصادم کا سلسلہ شروع ہوگیا جس سے
نمٹنے کے لیے ۱۰ جنوری ۱۸۲۷ء کو عبوری
حکومت کا قیام ہوا اور تمام محکمے قائم
کئے گئے۔ سید صاحب امیر قرار پائے۔

ملک بھر کے مختلف علاقوں میں
نائب مقرر کئے گئے جنہیں حیدر آباد دکن
اور مدراس کے لیے مولانا سید محمد علی رام پوری
بنگال کے لئے مولانا عنایت علی، بمبئی
کے لیے مولانا محمد قاسم اور دوسرے
حصوں کے لیے مولانا سید اولاد حسن والد
نواب صدیق حسن اور سید حمید الدین صاحب
وغیرہ شامل ہیں۔ عارضی حکومت کے قیام
کے بعد آپ نے سلطان ہرات، والیٔ کابل،
شاہ بخارا، رئیس قلات، آزاد قبائل کے
سرداروں، ہندوستان کے سرآوردہ عمائدین،
علماء حتیٰ کہ سکھ حکومت کے فرمانرواؤں
کو خطوط لکھے جو اپنے مقصد میں بڑے
واضح ہیں۔

خدا گواہ ہے ہمارا منشا نہ
دولت جمع کرنا ہے نہ ہی اپنی حکومت
کا قائم کرنا ہے ہم خدائے بالا و
برتر کے ناچیز بندے ہیں نہ بندگانِ
خدا پر جبر و قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے
دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت
چھین لینے کا جذبہ، ہمارا منشا
وطن کو آزاد کرانا ہے۔ اور لیس
اور یہ اس لیے کہ تقاضائے
مذہب یہی ہے اور اسی میں
رضائے مولا مقصود ہے۔

(مکاتیب سید احمدؒ)

ریاست گوالیار کے مدار المہام کے وزیر و
برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو آپ نے لکھا

جناب کو خوب معلوم ہے کہ وہ
بیگانے اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت
دور کے رہنے والے ہیں دنیا
جہاں کے بادشاہ بن گئے اور
سودا بیچنے والے دوکاندار بادشاہت
کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔۔۔۔
۔۔۔۔ ناچار چند بے سرو سامان
فقیر کمر ہمت کس کر کھڑے ہو
گئے ہیں۔ کمزوروں کی یہ جماعت
محض اللہ کے دین کے تقاضے
سے اس خدمت کے لیے کھڑی
ہوگئی ہے یہ لوگ جاہ طلب
دنیا دار نہیں ہیں بلکہ ایک مذہبی اور
اخلاقی فرض سمجھ کر اس خدمت
کے لیے اٹھے ہیں۔۔۔ جس وقت
ہندوستان کا میدان ان غیر ملکی دشمنوں
سے خالی ہو جائے گا اور ہماری
کوششوں کا تیر مراد کے نشانے تک
پہنچ جائیگا۔ حکومت کے عہدے اور
منصب ان کے سپرد ہوں گے جو
اس کے مستحق ہوں گے۔ (اعمالنامہ جات
سرکار کمپنی انگریز بہادر حصہ دوم جلد چہارم)

اسی طرح کا مکتوب گرامی ریاست گوالیار
کے ایک مسلمان ملازم اور صاحب منصب
غلام حیدر خاں کو لکھا گیا (مجموعہ خطوط قلمی ص۱۴)
یہ مکاتیب حضرت سید صاحب اور آپ
کے رفقاء کے مقاصد اور آپ کی جدوجہد
کے اصلی رخ کو واضح طور پر متعین کرتے
ہیں کہ ان حضرات کے پیش نظر کن کا
قلع قمع تھا۔؟

عارضی حکومت کی آزاد فوج نے جو
کردار ادا کیا اس کی تفصیل تمام قدیم و
جدید تذکروں میں موجود ہے بیگانوں کے
ساتھ اپنوں کی بے وفائیاں، پشاور میں
آپ کے رفقاء کا قتل عام، خود آپ کو
زہر دینا وغیرہ، ایسے ایسے حوادث سے
آپ کو دو چار ہونا پڑا جس کی تفصیل
بیان کرتے ہوئے دل و دماغ لرزہ
براندام ہوجاتے ہیں لیکن مقصد کا فوج کے
سپاہیوں نے توکل علی اللہ اور ایثار و خلوص
کے سرمایہ سے جو کارنامے سرانجام دیئے ان
کا ایک عکس مشہور مفکر و صاحب قلم مولانا
سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب سے معلوم

ہوتا ہے جس کا نام ہے "جب ایمان کی بہار آئی"۔

مثلاً ہر آدمی کی وصیت میدانِ جنگ میں یہ تھی کہ ہم شہید ہو جائیں یا زخموں سے چُور ہو جائیں۔ ہماری پرواہ نہ کرنا۔ اور اپنے کام میں مشغول رہنا۔ بحوالہ سید احمد شہید صـ۹۵)

صبر و استقامت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کو روزانہ صرف مُٹھی بھر جوار ملتی تھی۔ تندرست لوگ اسے پیس کر روٹی بناتے اور بیمار اس کو ابال کر نوش جان کرتے (بحوالہ صـ۴۱۰)

امانت و دیانت اور جماعتی خیرخواہی کا یہ عالم تھا کہ مولانا باقر علی عظیم آبادی کے گولی لگی زخم کاری تھا انہوں نے احباب سے کہا: بھائیو میرا کام تمام ہوا یہ ہتھیار لو یہ اللہ کا مال ہے۔ یہ الفاظ کہے اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی (جلد ۱ صـ۳۵۵)

سید صاحب کی احباب کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو لذیذ کھانوں لذیذ میووں اور اس قسم کی چیزوں کے معاملہ میں دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم سمجھے اور محنت و مشقت کے معاملہ میں دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پیش کرے (منظورہ صـ۱۰۵۶) چنانچہ ہر مجاہد اس ہدایت کا عملاً پابند تھا اور ایثار و قربانی میں اپنی مثال آپ اسی طرح عفو و درگذر اور بُرائی کے بدلہ میں بھلائی کے جو نمونے نظر آتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جنگ شیدو میں نازک موقعہ پر سید صاحب کو زہر دیا گیا سیاسی، مذہبی، اخلاقی ہر اعتبار سے یہ جرم جیسا کچھ سنگین تھا۔ واضح ہے لیکن سید صاحب نے مکہ کے فاتح سراپا رحمت پیغمبر کے سچے اُمتی کی طرح واقعہ کے ذمہ دار لوگوں کو معاف فرما کر ایک خوب صورت مثال قائم کی۔ الغرض مجاہدین کی زندگی ان خوبیوں کا مرقع تھی لیکن سکھ شاہ پرست مسلمان، انگریز اس تحریک کو کچلنے میں مصروف تھے سکھوں نے خرابی بسیار کے بعد کچھ علاقوں کو زیرِ نگیں کیا تھا انہیں خطرہ تھا کہ اہلِ اسلام کے سامنے ان کا چراغ نہیں جل سکے گا۔ شاہ پرست ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ سراج الدولہ، ٹیپو شہید، مجاہدین بالاکوٹ اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی میں اس قسم کے لوگوں کا بنیادی کردار تھا۔ رہ گیا انگریز تو اس کی مخالفت کے اسباب بالکل واضح ہیں۔ برطانوی تدبر نے سوچ سمجھ کر اپنے کل پرزوں کو ایک نصیحت کی جس کے الفاظ قابلِ غور ہیں :-

ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے۔ یہ اصول ہمیشہ مدِنظر رکھنا چاہیئے کہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو۔

(حکومت خود اختیاری صـ۵۱-۵۲)

اس اصول کے پیشِ نظر برطانوی نشہ دماغوں نے اس تحریک کے معاملہ میں بدترین طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا رنجیت سنگھ بھرتی کرنے اور سرمایہ کی فراہمی کے مرحلہ تک انگریز نے کوئی توجہ نہ دی اس کے بڑے واضح اسباب تھے مثلاً (۱) انگریز سمجھتا تھا کہ ایک مخالف عنصر انگریزی مقبوضات سے خارج ہو رہا ہے (۲) اس نے جو مرکز تجویز کیا ہے وہ ہمارے مقبوضات سے بہت دُور ہے (۳) ایسا ممکن ہے کہ روایتی میر جعفر صادق پیدا کر کے اس طاقت کو مرکز میں ہی مفلوج کر دیا جائے اور آگے بڑھنے ہی نہ دیا جائے (۴) اندرونی بغاوت کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا (۵) انگریزی مقبوضات تک پہنچنے میں سکھ حکومت حائل ہوگی جس طرح روہیلے شجاع الدولہ کے ذریعے اور سلطان ٹیپو نظام دکن کے ذریعے ختم کرا دیئے گئے اس طرح یہاں سکھ کام آ سکتے ہیں۔

ان پانچ واضح اسباب کے تحت انگریز نے التفات نہ کیا تاہم اس نے وہابیت کا الزام گھڑ کر وہ انتقام لیا جس نے اس کی مرادوں کو پورا کر دیا اور وہابیت کے الزام کی تفصیل کسی قدر گذر چکی ہے اس الزام کے متعلق مزید چند اشارات ضروری ہیں۔ وہ ہنٹر جو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور حضرت سید صاحب کی تحریک کا رشتہ جوڑنے کا بنیادی ذمہ دار ہے اس نے ہمارے ہندوستانی مسلمان کے صـ۵۸ پر لکھا ہے :-

یہ عظیم الشان سلطنت (شیخ نجدی کی) جس معجزانہ طور پر منصۂ شہود پر آئی تھی اسی معجزانہ طور پر ریت کے

صحرائی ٹیلوں کی طرح غائب ہو گئی"
یہ واقعہ بلا اختلاف ۱۸۱۸ء کا ہے۔ اس سلطنت کے عروج و زوال کی داستان علمار ہند کا شاندار ماضی جلد دوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۸۱۸ء کے چار پانچ سال بعد ۲۳-۱۸۲۲ء میں سید صاحب نے سفر حرمین کیا اور یہ وہ دور تھا۔ جب بقول ہنٹر کسی وہابی کا مکہ میں چلنا دشوار تھا جیسے کہ پہلے گذرا۔ پھر تعلق کیسے جُڑ گیا — اصل بات یہ ہے کہ برطانوی تدبر نے اس لفظ میں نفرت کی بو سونگھ لی تھی۔ اس سے پہلے سلطان ٹیپو کے متعلق یہ لفظ کام دے چکا تھا جیسا کہ سلطنتِ خداداد کے فاضل مصنف کی تحقیق ہے اس لیے اس لفظ کو خوب اچھالا گیا اور اللہ کے وہ سپاہی جو سینکڑوں میل کی مسافت کے بعد ایک جگہ کو مرکز بنا کر چلنے لگے انہیں وہابی کہہ کر خوب خوب بدنام کیا گیا ورنہ ان حضرات کی کتابیں اور شیخ نجدی کا لٹریچر بھی واضح دلیل ہے کہ آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ ہاں ہمارے ہندوستانی مسلمان میں ہنٹر کے قلم سے ایک جملہ جو نکل گیا کہ " وہابی اور غدار مترادف الفاظ ہیں" تو اس اعتبار سے سید صاحب، ان کے تمام رفقار اور اخلاف وہابی قرار پاتے ہیں کہ وہ بیگانگان بعید الوطن نصاریٰ کو اپنے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں۔ یہ وہابیت تو ہمارا طرہ امتیاز ہے اور ہم خوش ہیں کہ بقول سید عطاء اللہ شاہ بخاری، اللہ کا دشمن ہمیں اپنا غدار سمجھتا ہے لیکن جہاں تک اس وہابیت کا تعلق ہے جس کا ہمارے دیار میں پروپیگنڈہ ہوا اس سے ہمارے اسلاف اور ہم بری الذمہ ہیں آج اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا گیا تو مالک الملک کی عدالت میں تسلیم کرنا پڑے گا۔

دوسرا نازک ترین سوال یہ ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد انگریز حکومت کا قلع قمع تھا یا سکھوں کا؟ دشمنانِ تحریک نے تحریک کے مقاصد کو مجروح کرنے کے لیے تحریک بمقابلہ سکھ کا عنوان گھڑا حالانکہ اب تک جو تفصیل بیان ہوئی ہے تحریک کا پس منظر، شاہ عبدالعزیز رح کا فتویٰ اور خود سید صاحب کے احکامات اور خطوط وہ واضح ثبوت ہیں کہ مقصد کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ قضاء و قدر نے اس کی مہلت نہ دی۔ اور اس سے قبل کہ محمدیوں کا وہ قافلہ انگریزی قصر کو مسمار کرتا خود خاک و خون میں تڑپ گیا تاہم ان کی جلائی ہوئی آگ جس طرح آئندہ بھڑکی اور خرمن انگریزیت کو جلانے کا باعث ہوئی وہ خود مستقل داستان ہے ہمارے نقطہ نظر سے بات بالکل واضح ہے کہ تحریک کا رخ انگریز کی طرف تھا۔ چند اشارات ملاحظہ ہوں۔ بعض وہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا لیکن ذہن میں تازہ کرنے کے لیے دوبارہ اشارہ ضروری ہے

۱: سید صاحب تحریک کے بانی نہیں جنگی محاذ کے کمانڈر ہیں۔ بانی اور ان کے فکر کی تفصیل پہلے گذر چکی اور وہ بالکل واضح ہے۔

۲: شاہ عبدالعزیز رح کا ۱۸۰۶ء کا فتویٰ تحریک کا ایک مرکزی نقطہ ہے اور اس کا رُخ انگریز کے خلاف ہے۔

۳: سفر رام پور کے دوران سکھوں کے جن مظالم کی تفصیل کی بنیاد پر یار لوگوں نے یہ تصور گھڑا انگریز کی طرف سے انہی مظالم کا ذکر بیس سال قبل حضرت شاہ عبدالعزیز رح بیان کر چکے ہیں۔

۴: نواب ٹونک اور جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ مل کر چھ سال تک خود سید صاحب انگریزوں سے برسرِ پیکار رہے نواب صاحب نے صلح کر لی اور سید صاحب علیحدہ ہو گئے۔

۵: سید صاحب کے جن خطوط کا حوالہ گذرا انہیں بیگانگان بعید الوطن اور تاجران متاع فروش کی اصطلاحات قابلِ ذکر ہیں۔

۶: کھلی شہادت یہ ہے کہ سکھوں کی حکومت ۱۸۴۶ء میں ختم ہوئی ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا الحاق مکمل ہو گیا۔ مقابلہ سکھوں سے تھا تو سید صاحب کے رفقار شکر ادا کرتے لیکن آپ کے جانشینوں کا طرز عمل واضح ہے ستھانہ کا مرکز ایک زندہ حقیقت ہے جسے کچلنے کے لیے انگریز کو کیا کچھ کرنا پڑا۔

۷: ہنٹر کی اس بات کا کیا جواب ہے کہ سفر حج سے قبل جو چیز خواب و خیال تھی وہ اب حقیقت بن گئی ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑنے اور صلیب کو انگریز دل

کی لاشوں کے نیچے دفن ہوتے وہ دیکھنے لگے۔

۸: سکھوں کی حکومت محض پنجاب میں تھی لیکن بقول ہنٹر ادھر سید صاحب نے علم جہاد بلند کیا ادھر بنگال میں جہاں اسی سال سے انگریز راج تھا سید صاحب کا مرید خاص نثار علی انگریز سے الجھ پڑا۔

۹: کیپٹن کننگھم نے لکھا ہے کہ سید صاحب کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کافروں سے ان کی مراد سکھ تھے لیکن ان کے مقاصد کو صحیح طور پر سمجھا نہیں گیا۔ ایک وسیع و آباد ملک پر دور دراز کی قوم کا قبضہ اور اس کا اقتدار اس سے اس کی مخالفت کا واضح سبب تھا جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا (تاریخ سکھ بحوالہ سیرت سید احمد شہید ص ۲۲۵)

۱۰: مولانا عبید اللہ سندھی کی دلچسپ بات ملاحظہ ہو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی سیاسی اقتدار کے باوجود تجارتی لباس میں مستور رہی بالاکوٹ کے قصہ کے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں اس نے تجارت کا لبادہ اوڑھا۔ اور حکومت کی مالک بن گئی۔ آخر کیوں[لے] ؟

۱۱: اور آخر میں ایک انگریز سیاح میسن کا تجزیہ۔ سکھوں کا استیصال، پنجاب پر قبضہ، پھر ہندوستان اور چین پر تسلط! یہ حقائق اپنی جگہ بالکل واضح ہیں اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ تحریک کا مقصد انگریز کا استیصال تھا۔ (سید احمد شہید ص ۲۵۹)

قدرت کا اپنا نظام تھا یہ کام ان کے ہاتھوں مقدر نہ تھا لیکن بہر حال وہ ایسا کام کر گئے جو ہر کسی کے بس میں نہیں بقول سودا ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
او روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

الغرض انگریز کا "لڑاؤ حکومت کرو" کے ضمن میں وہابیت کا پراپیگنڈہ، شاہ پرست اور ضعیف الاعتقاد مسلمانوں میں سرایت کر گیا۔ نواب و امراء پہلے کھیل کھیل چکے تھے سکھ عملاً برسرپیکار تھے کہ انہی حوادثات میں ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں وہ حادثہ رونما آیا جس نے وقتی طور پر دشمنان دین کو مطمئن کر دیا — لیکن نہیں صاحب ان کی جلائی ہوئی مشعل کب بجھنے والی تھی انہوں نے اپنے خون سے جو مشعل جلائی جو مختلف اوقات میں اپنی روشنی سے اہل دل کو منور کرتی رہی۔ تا آنکہ ۱۹۴۷ء کا سال انگریزی راج کے لیے آخری سال ثابت ہوا اس مجلس کا موضوع نہیں ورنہ حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کرنا مشکل نہیں کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۸۳۱ء کے درمیان ایک ایسا تسلسل اور ربط ہے جس کا انکار ممکن نہیں ان شہیدان ناز کی عظمتوں کو سلام کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آج کے دور میں اس جذبہ حریت کو پھر سے پیدا کر دے تاکہ ہم گنہگار مسلمان سنت جہاد کو زندہ کر کے اپنے عظیم اسلاف سے سرخرو ہو کر مل سکیں۔ (وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین)

بقیہ: معراج از ۶

ایک عظیم منشور اور لائحہ عمل دیا ہے، یہی وہ نصب العین اور منشور ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے، یہی معراج نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ملخص وحاصل ہے اور یہی اس کی غرض وغایت، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس ربانی منشور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا ہوئی ہے

بقیہ: اجتماع دیوبند

اعتراف میں گریز نہ ہو۔

اسی طرح ہم ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ کے منتظمین سے کہیں گے کہ وہ غیر ذمہ دار ملازمین سے اپنے ادارے کو صاف کریں، ورنہ صحافت کے تالاب کی یہ گندی مچھلیاں شفاف پانی کو گدلا کر دیں گی، اور اگر مدیر سیارہ ڈائجسٹ کا فیصلہ بھی یہی ہے جو اس مضمون نگار نے دیا ہے، تو، ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

جب تم جہاد چھوڑ دو گے ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے — (حضرت صدیق اکبرؓ)

لے: ابتداء میں مسلم ان برٹش کا جو حوالہ گزرا وہ بارہ دگر ملاحظہ کرلیں۔ مقاصد کے اعتبار سے وہ سب سے زیادہ واضح ہے۔

اجتماع دیوبند

جانباز مرزا کی کتاب.... روئیداد اجتماع صد سالہ کا ایک ورق

مولانا مودودی کی وفات کے بعد اس
جماعت کے صالحین سے کبھی باز پرس نہیں
کی، کیونکہ یتیموں پر بہر طور رحم کھانا چاہیے
- اچھرہ اور منصورہ کی جائیداد کے تنازعہ
پر ان یتیم خانوں میں جو ہو رہا ہے اس سے
یہ مختصر گروہ اور بھی قابل رحم ہو چکا ہے
لیکن یتیموں کو اگر کبھی تکلیف ہو تو
"اس وقت میں ہم کیا کیا نہ کریں گے"
امسال مارچ میں دارالعلوم دیوبند کا اجتماع
صد سالہ کیا ہوا کہ فرنگی کی روحانی اولاد کے
تن بدن میں آگ لگ گئی، ہر ایک آنسو
بہاتے چلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے
کوئی مسز گاندھی کا نام لیکر حقیقت کو بگاڑ
رہا ہے، اور کوئی ڈاکٹر اقبال کے شعر کو
بہانہ بنا کر حضرت مدنی رح کو گالیاں دے
رہا ہے، حالانکہ مرنے کے بعد کسی کے
اعمال پر بحث کرنا شرعی اصولوں سے
انحراف ہے، لیکن یہ مفروضہ تو مسلمان
کے لئے ہے اور جو اسلام کو مانتا ہی نہیں
ان سے کیا بحث؟

مرحوم مودودی پارٹی کے ماہنامہ سیارہ
ڈائجسٹ نے اپنے شمارہ جون ۱۹۸۰ء میں
دیوبند کے اجتماع صد سالہ کی رپورٹ اپنے
کسی قلمکار کے حوالے سے شائع کی ہے
اول تو ایسا لگتا ہے کہ مضمون نگار نے سارا
کچھ گھر بیٹھ کر لکھا ہے۔ ورنہ یہ کبھی نہ لکھتا
کہ اس راستے میں پٹیالہ بھی آتا ہے، اسی
ایک جھوٹ سے باقی کاروائی کا اندازہ
ہوتا ہے کہ وہ کہاں تک درست ہے؟

دوسرے نمبر پر مضمون نگار کا یہ کہنا کہ
اٹاری اسٹیشن پر فروٹ نزدیکی گاؤں
کے مسلمانوں نے بھجوایا تھا، یہ ایک اور
جھوٹ ہے، حالانکہ یہ پھل مشرقی پنجاب
کے محکمہ اوقاف کی طرف سے مولانا سعید الرحمان
رحمانی نے پیش کیا تھا جو مفتی ہیں مشرقی
پنجاب کے

نمبر۳، جب گاڑی دیوبند اسٹیشن پر
پہنچی تو لاؤڈ سپیکر سے اعلان ہو رہا تھا
کہ ہم پاکستان سے آنے والے یاتریوں کو
خوش آمدید کہتے ہیں، یہ اسی طرح سفید
جھوٹ ہے جس طرح کہدیا جائے کہ
مولانا مودودی کے دفن کرنے پر اچھرہ
اور منصورہ کے متولیوں میں کوئی جھگڑا
نہیں ہوا

نمبر۴، یہ جھوٹ تو اس قدر واضح اور
نمایاں ہے کہ بھارت کی وزیر اعظم مسز
اندرا گاندھی نے اپنی تقریر میں جب
دو قومی نظریئے کی بحث چھیڑی تو سٹیج
پر بیٹھے دنیا بھر کے چوٹی کے علماء کو
اسلام کے اس عظیم اور بنیادی فلسفے کی
تشریح کی جرأت نہ ہوئی
اس موقعہ پر مضمون نگار نے علامہ اقبال کا
نام لیکر اور اس کا وہ شعر نقل کر کے جس
میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد
مدنی رح پر بلاجواز اور بلاوجہ تنقید کی، اپنے
خبث باطن کا مظاہرہ کیا ہے حالانکہ علامہ
اقبال نے جون ۱۹۳۸ء میں حضرت مدنی
سے معذرت کر لی تھی

نمبر۵، پاک و ہند کے اکثر شہروں میں مسلک
اہلحدیث کے علاوہ نماز جمعہ ہر جگہ دو بجے
کے بعد پانچ دس منٹ کے فرق سے پڑھی
جاتی ہے، لیکن سیارہ ڈائجسٹ کا "مضمون
نگار لکھتا ہے کہ نماز جمعہ ایک بجے ہونی تھی
مگر پنڈال سے اعلان ہوا کہ چونکہ ہمارے عرب
مہمانوں کے آنے میں دیر ہے اس لئے ان
کی آمد تک نماز جمعہ کا انتظار کریں، یہ جھوٹ
صرف اسی جماعت کے ملازمین کو ہی زیب
دیتا ہے"

حقیقت یہ ہے کہ نماز جمعہ ٹھیک سوا دو بجے
شروع ہوئی اور اور پونے تین بجے قاری
صاحب کی دعاء کے ساتھ ختم ہوئی۔
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مضمون نگار کو عربوں
سے کسی خاص وقت میں کوئی تکلیف پہنچی
ہے ورنہ عرب وفود پر یہ الزام کبھی نہ تراشا
جاتا کہ اندرا جب اسٹیج پر پہنچی تو تمام عرب

اس کے خیر مقدم کے لئے دو رویہ ہو کر
کھڑے ہو گئے، البتہ جب بھارت کی
وزیر اعظم اسٹیج پر آئیں تو سب لوگ
احتراماً اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے باقی
کہانی جھوٹ نمبر ۶ میں آتی ہے

شاہ خالد پر الزام:

دار العلوم کی طرف سے جو نظام الاوقات
طبع ہو کر تقسیم کیا گیا اس میں اندرا کے
آنے یا تقریر کرنے کا کوئی درج نہ تھا، لیکن
دار العلوم کی انتظامیہ کو اچانک اطلاع ملی
کہ اندرا اجلاس میں شمولیت کرنے آ رہی ہے
۔ اس پر … نامہ نگار لکھتا ہے
"کہ شاہ خالد کے نمائندہ نے اپنے پیغام میں کہا
کہ شاہ خالد نے اندرا اور بھارت کے عوام
کو سلام بھیجا ہے"
اگر یہ حقیقت ہے کہ منتظمین جلسہ کو بھی
اندرا کے آنے کی پیشتر سے کوئی اطلاع نہیں
تھی تو پھر والی حجاز کو کیسے خبر ملی کہ بھارت
کی وزیر اعظم اس اجتماع کو خطاب کرنے
آئیگی اور اپنے نمائندہ کے ذریعہ اندرا کو
سلام بھیجا

لعنۃ اللہ علی الکاذبین

جھوٹ نمبر ۸، یہ نمائندہ لکھتا ہے کہ اجلاس
میں عوام کی تعداد تین لاکھ کے قریب تھی
کہیں چھ لاکھ، اور بارہ لاکھ بھی لکھی ہے
خیر......

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی نماز جنازہ میں
بڑی مشکل سے بیس پچیس ہزار کے قریب
افراد شریک تھے، ان میں سے بھی اکثر
اچھرہ اور منصورہ کی باہم چپقلش کے باعث
نماز جنازہ سے محروم رہے، مگر دوسری
صبح اخبارات میں چھپوایا گیا کہ لاکھوں
عوام مولانا مودودی کی نماز جنازہ
میں شامل ہوئے، انا للہ وانا الیہ
راجعون،

ایک جھوٹ اور ملاحظہ ہو

مصر کے وزیر اوقاف جب تقریر کے لئے
اٹھے تو عرب ممالک کے وفود واک آؤٹ
کر گئے،
اس بارے میں ان سے کوئی پوچھے کہ
یہ کوئی سرکاری تقریب تھی جس میں
متحارب ممالک کی خوشی اور ناراضگی
پیدا ہونے کا امکان تھا یہ تو تعلیمی اجتماع
تھا اور سب مہمان برابر تھے، باقی رہی
جماعتوں کی بات تو انہیں مصر سے خدا
واسطے کا بیر ہے، اسی بنیاد پر مضمون
نگار نے اپنے جھوٹ میں اور اضافہ کر لیا
بہر حال جھوٹو جھوٹ چناول سو، والی
بات ٹھہری،
مذکورہ ماہنامہ کے آٹھ صفحات پر پھیلے
ہوئے اس مضمون سے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے [illegible] کو گروی
دیکر اپنے اس سفر کا بل وصول کر لیا ہے
کہ وہ دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس
کے موقعہ پر وہاں موجود تھا، سفید
جھوٹ تو نہیں سیاہ جھوٹ ضرور ہے
اگر یہ بھی نہیں تو پھر مقصود دیوبند کا
اجلاس بیان کرنا نہیں، بلکہ صرف اور صرف
حضرت مدنی کو گالیاں دینا ... اور بس!
ورنہ مضمون میں اقبال کے شعر کیلئے کوئی
گنجائش نہیں، کہاں دار العلوم کا صد سالہ
اجلاس اور کہاں ڈاکٹر اقبال اور کہاں حضرت
مدنی، یہ اس قدر متضاد باتیں ہیں کہ جن
کا باہم کوئی ربط نہیں، حقیقت یہ ہے
کہ ۱۹۳۸ء سے پیشتر ڈاکٹر اقبال اور حضرت
مدنی کے مابین ایک اختلافی بحث نے
خاصا طول کھینچا، آخر بات یہاں پہنچکر
ختم ہوئی کہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار
روزنامہ احسان لاہور میں ڈاکٹر اقبال اور
حضرت مدنی کا ان الفاظ میں معذرت
نامہ شائع ہوا ... کہ
"میں نے مسلمانوں کو وطنیت قبول کرنے
کا مشورہ نہیں دیا تھا" (حضرت حسین احمد)
"مجھے مولانا کے اس اعتراف کے بعد ان پر
اعتراض کا کوئی حق نہیں" (علامہ اقبال)
ان دونوں رہنماؤں کے مذکورہ بالا بیانات
کے بعد اصولی طور پر اس قضیئے کو ۱۹۳۸ء
میں ختم ہو جانا چاہئے تھا، لیکن فرنگی کی روحانی
اولاد کسی نہ کسی بہانے اپنے اندر کی
آگ اگلتی رہتی ہے، جیسے کہ ڈاکٹر اقبال
کی کتاب "ارمغان حجاز" کے ہر ایڈیشن میں
یہ متنازعہ فیہ اشعار باقاعدگی سے شائع ہو
رہے ہیں، اس موقعہ پر حکومت پاکستان
سے بھی میری درخواست ہے کہ وہ کتاب
ہذا سے ان اشعار کو حذف کرا دیں تاکہ
آئندہ نسلیں برصغیر کے ان دو عظیم رہنماؤں
کے فروعی اختلاف سے اپنے ذہنوں کو صاف
کر لیں ۔ نیز افسانہ تراشوں کو حقیقت سے

۔ اس بحث کی پوری تفصیل جانباز مرزا کی کتاب کاروان احرار کی جلد سوم میں ملاحظہ فرمائیں (باقی بر ۲۵)

تعارف و تبصرہ

برکات بُردہ

امام بوصیری قدس سرہٗ کا قصیدہ بردہ نعت سرورِ کائنات علیہ السلام کے معاملہ میں اپنی نظیر آپ ہے، امام کے سچے اور مخلصانہ جذبات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قصیدہ کو جتنی قبولیت سے سرفراز فرمایا وہ ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے،

بہت سے اہلِ دل اور مشائخ اس قصیدہ اور اس کے مختلف اشعار کو خاص ضابطوں کے ساتھ پڑھتے اور اپنے خدام و متعلقین کو تلقین کرتے جس کے نتیجہ میں مالک حقیقی اپنے عاجز بندوں کی مشکلات پوری فرما دیتے

جناب علامہ فضل احمد عارف صاحب نے برکات بردہ کے نام سے یہ کتاب مرتب کی ہے جس کے ۲۱۶ صفحات ہیں، اس کے پہلے باب میں امام بوصیری کے حالات زندگی ہیں اور دوسرے باب میں قصیدہ کا مفصل تعارف ہے، تیسرا باب قصیدہ کی مقبولیت کے سلسلہ میں تمام کوائف کا حامل ہے جبکہ چوتھا باب قصیدہ کے خواص کی کہانی پر مشتمل ہے پانچویں باب میں قصیدہ کے اشعار، اردو ترجمہ اور خاصیتوں کا ذکر ہے،

موصوف نے خداداد صلاحیتوں کے پیش نظر کمال محنت سے ایک ایسی کتاب مرتب کر دی ہے جو عشاقِ ذاتِ رسالت علیہ السلام کے لئے گراں قدر تحفہ ہے،،

۲۱/- روپے میں یہ کتاب نذیر سنز ۴۰-اے اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے،،

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف

مودودی صاحب ایک ذہین اور لکھاڑ قسم کے آدمی تھے انہوں نے بہت کچھ لکھا اور ابتداء میں ہی اپنی تحریروں کے زور سے ہی ایک حلقہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، ان توجہ کنندگان میں بعض بڑی عظیم المرتبت شخصیات بھی شامل تھیں جن میں ہمارے مخدوم ومحترم مولانا محمد منظور نعمانی بھی تھے، جو اس زمانہ میں مودودی صاحب کے ایسے مخلص ومرید وعقیدت مند تھے کہ ” مریداں می پرانند “ کی مثال ان پر صادق آتی تھی لیکن بہت جلد انہیں اندازہ ہو گیا کہ جو ہم نے سوچا تھا وہ صحیح نہ تھا اور مودودی صاحب اپنی صلاحیتوں کو امت کے جوڑنے کے بجائے ایک نئے فکر و فلسفہ کی تشکیل میں صرف کر رہے ہیں، جس کا لازمی اور لابدی نتیجہ ایک نئے اور مستقل فرقہ کی شکل میں سامنے آئیگا، مودودی صاحب کے قلم سے کوئی دینی مسئلہ محفوظ نہ رہا نہ کوئی شخصیت، وہ لکھتے چلے گئے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ ہماری دعوت کو قبول نہ کرنے والے قوم یہود کی طرح ہونگے، یہ خطرات جو بہت دیر میں عام لوگوں کے سامنے آئے اہلِ دل نے انہیں جلدی بھانپ لیا تھا، اور اس جماعت و تحریک سے متعلق اپنی رائے دوٹوک انداز میں بیان کر دی تھی،،

اس کے بعد مودودی صاحب کے قدیم رفقاء کا نمبر آیا اور بلا مبالغہ ان سے اتنے لوگ علیحدہ ہوئے جسکی مثال کسی تحریک کے معاملہ میں نہیں ملتی اور اکثر حضرات نے اپنے اختلافات کے وجوہ واسباب کو بڑی شرح و بسط سے بیان کر کے اتمام حجت کر دی،، جن حضرات کی تحریریں اس بارے میں خاص وزن رکھتی ہیں ان میں مفکر ملت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا نعمانی اور وحید الدین خانصاحب وغیرہ ہیں،

زیرِ تبصرہ کتاب مولانا نعمانی کے قلم کا شاہکار ہے جس پر مولانا علی میاں کا مقدمہ ایک مستقل نوعیت کی تحریر اور ایک شہ پارہ ہے، اس مقدمہ اور کتاب سے مودودی صاحب کے فکر کی تفصیلات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملیگی اور کیا عجب کہ کچھ لوگ ماضی کی طرف پلٹ کر مستقبل کے سخت ترین وقت

کی شدت سے اپنے آپ کو بچالیں

مستحق تبریک ہیں مولانا فضل ربی ندوی جنہوں نے یہ کتاب چھاپ کر اہل فکر ونظر کو سوچنے کا موقعہ فراہم کیا،

یہ خوبصورت اور دلنشین کتاب ۔/۱۵ روپے میں مجلس نشریات اسلام اے۔ کے ۳۔ ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے دستیاب ہے،

آئینہ نماز

نماز اسلام کے اہم ترین بنیادی ارکان میں سے ایک ہے جبکی کسی حال میں بھی معافی نہیں ہے اور حضرات صحابہ علیہم الرضوان اس شخص کو مسلمان تصور نہیں کرتے تھے جو نماز کا جحد ہو، بدقسمتی سے مسلم معاشرہ کی بڑی آبادی اس فرض سے غافل ہے اور جو محدود لوگ پڑھتے ہیں وہ بھی احساس ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرتے، اللہ بھلا کرے مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم مدنی کا جنہوں نے یہ کتاب مرتب فرمائی نماز سے متعلق جملہ مسائل کو انتہائی مستند طریقہ سے موصوف نے بڑی خوبصورتی سے ترتیب دیا ہے جو ہر گھر کی بنیادی ضرورت ہے یہ بیش قیمت کتاب محض ۶/۷۵ روپے میں مکتبہ الفاروق سلطان پورہ لاہور سے دستیاب ہے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور کاتب وحی تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں اور کمالات سے نوازا تھا آپ کی حکومت سے متعلق اشارات کتب احادیث میں موجود ہیں اور اللہ کے نبی کے ارشاد کے مطابق آپ کا حلم وتدبر اپنی مثال آپ تھا، وہ عناصر جو تحریف قرآنی اور صحابہ دشمنی کا زہر پھیلانے کے ذمہ دار ہیں ان کو چھوڑ کر خود اہل سنت کا ایک طبقہ اس عظیم المرتبت صحابی سے متعلق انتہائی کج روی کا شکار ہے

ایمان کی حفاظت کے لئے ان گمراہ کن خیالات سے اپنے آپ کو پاک کرنا اور بچانا ازبس لازمی ہے، قدیم لاہور کے نامور بزرگ مولانا پیر غلام دستگیر نامی مرحوم ومغفور کی اس ضمن کی خدمات ہیں یہ رسالہ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے جو ۳/۵۰ روپے میں مکتبہ الفاروق سلطان پورہ لاہور سے دستیاب ہے

آسان قرأت

قرآن کریم کو صحت ودرستگی کے ساتھ پڑھنا ازبس لازمی وضروری ہے اور اس معاملہ میں غفلت لبسا اوقات خرابی ایمان کا باعث بن جاتی ہے (العیاذ باللہ)

اس ضرورت کے پیش نظر اہل فن حضرات نے متعدد کتابیں مرتب کیں جن میں سے ہر ایک مستقل خصوصیت کی حامل ہے

زیر تبصرہ رسالہ قاری محمد نور الاسلام صاحب مونگیری فاضل مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے قلم سے ہے، موصوف نے بڑے ہی آسان اور عام فہم انداز میں یہ رسالہ مرتب کیا ہے جو نامور قراء وعلماء کی تقاریظ سے مزین ہے ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ عزیز طلبہ اور دوسرے مسلمانوں کے لئے بڑا منفعت بخش ثابت ہوگا۔

قیمت ۔/۲ روپے، مجمع الشبان المسلمین فورٹ روڈ لاہور سے دستیاب ہے،

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رح

ہمارے عزیز دوست جناب عبد الحفیظ صاحب نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے سوانحی نقوش پر مشتمل یہ مختصر کتابچہ جلدی میں مرتب کرکے شائع کردیا ہے موصوف ایک منجھے ہوئے قلمکار ہیں اور بڑے ہی مختصر وقت میں گو مختصر سہی لیکن ایک اچھی چیز مرتب ہوگئی ہے جو مستقبل میں شیخ کے مفصل سوانح حیات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے بلکہ ایسا ہونا چاہیے تاکہ شیخ کی پیچ وتاب رندی سے بھرپور زندگی کا مفصل نقشہ سامنے آسکے،

اس مختصر رسالہ کی ہر طرح تحسین کرتے ہوئے ہم اس کے مطالعہ کی دعوت دیں گے قیمت ۔/۶ روپے یقیناً زیادہ ہے ایسا نہ ہونا چاہیے،

حاصل کرنے کے لئے، مکتبہ عزیزیہ این۔ ای ۷۳۴ اے سلطان پورہ راولپنڈی کو لکھیں،

عظیم مشرقی رہنما جمال عبد الناصر

یہ مختصر رسالہ بھی جناب عبد الحفیظ صاحب کے قلم سے ہے جو آپ کی اس عنوان پر مفصل کتاب کا ایک حصہ، یا خلاصہ ہے زعیم ملت ناصر مرحوم ومغفور ایک ایسے

عبقری اور نابغہ انسان تھے کہ ان جیسے لوگ دنیا میں خال خال پیدا ہوتے ہیں، سامراج کے پروردہ لوگوں کی ایک کھیپ پاکستان میں مرحوم کو کوس کر اپنا راتب حاصل کر رہی ہے جو ایک شرمناک جسارت ہے، مفصل کتاب جو آنے والی ہے ناصر کے حقیقی کارناموں کا صحیح آئینہ ہوگی، یہ مختصر رسالہ بھی اپنی مثال آپ ہے اور ہم اس عظیم خدمت پر حفیظ صاحب کو بصد خلوص ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں،،

-/۵ روپے میں پتہ بالا سے حاصل کریں اور ضرور!

آسان مدنی قاعدہ

جناب قاری محمد سلیمان صاحب جو ایک کہنہ مشق استاذ درس ہیں، بچوں اور بچیوں کو تلاوت قرآن سکھانے کیلئے جدید اسلوب کے ساتھ یہ قاعدہ مرتب کیا ہے جو بڑی تقطیع کے اہم صفحات پر مشتمل ہے اور ان تمام ضروری قواعد کو احاطہ کئے ہوئے ہے جو ایک مبتدی کے لیے ضروری ہیں حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب رح اور مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب زید مجدہم کی قیمتی آراء کے بعد ہمارا کچھ لکھنا بے سود ہے

صرف اتنی درخواست ہے کہ اسکی زیادہ سے زیادہ تشہیر کیجائے تاکہ معصوم بچے قرآن کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں، مالکوا انجینئرز کراچی لاہور ٹیکسلا نے سے اسے شائع کیا ہے

-/۲ روپے میں یہ قاعدہ مکی مسجد ایچ ایم سی ٹیکسلا سے حاصل کریں،،

از ہر ہند دار العلوم دیوبند

کے

اجلاس صد سالہ

کے سلسلہ میں

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

کی

خصوصی اشاعت کی

طیاری شروع کر دی گئی ہے

- دار العلوم دیوبند کا مفصل تعارف
- زندگی کے مختلف دوائر میں فرزندانِ دار العلوم کی خدمات
- اجلاس صد سالہ سے متعلق شائع ہونے والا لٹریچر اور تقاریر

کے علاوہ

اجلاس صد سالہ کے ورکروں اور دوسرے اکابر و مشائخ کے تاثرات

اور

آنکھوں دیکھا حال

وغیرہ پر یہ اشاعت مشتمل ہوگی

ہم اپنے قارئین سے توقع رکھیں گے

کہ وہ

- اپنے یہاں کے شرکاء اجتماع کے تاثرات مختصراً لکھوا کر ارسال کریں
- کاروباری اداروں سے اشتہارات فراہم کریں
- زیادہ سے زیادہ سالانہ خریدار بنا کر ادارہ سے تعاون کریں
- خدائے بزرگ و برتر کے حضور ہم سجدہ ریز ہیں کہ وہ ذات پاک حضرت الامام لاہوریؒ اور حضرت الشیخ بنوریؒ نمبرات کی طرح یہ نمبر بھی شایان شان طریقہ پر مرتب کرنے کی توفیق دے تاکہ ہم مادر علمی کے خادموں میں شمار ہو سکیں،،

نوٹ:۔ جن سالانہ خریداروں کو حضرت لاہوری نمبر نہیں ملا وہ ایک کارڈ کے ذریعہ نمبر حاصل کر لیں

آپ کی دعاؤں اور تعاون کے محتاج

کارکنان ادارہ خدام الدین ــــ لاہور

عصرِ نو پہ حق کا اک انعام تھے احمد علیؒ ، اس صدی کے حجۃ الاسلام تھے احمد علیؒ
متقی، مرد مجاہد، رہبر راہِ ہدیٰ ، جادۂ توحید پر ہر گام تھے احمد علیؒ
کاملِ صبر و عزیمت، اسوۂ علم و عمل ، اہل باطل کے لیے صمصام تھے احمد علیؒ
کوہِ ہمت، فکر عالی، طبع استغناء پسند ، بخشش و جود و سخا کا نام تھے احمد علیؒ

ٹیلی فون نمبر ۹۷۵۴۵ | خدام الدین | رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۰۰۴۳